شبیر کا ماتم چاند میں ہے
شبیر کا ماتم تاروں میں
اربعین نمبر
ہفت روزہ "رضا کار" لاہور
ایڈیٹر شیخ محمد صدیق بی۔ اے

ایڈیٹر
شیخ محمد صدیق بی اے
(قصوری)

زیرِ سرپرستی۔ قائم آلِ محمد

فہرست مضامین

قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ فی پرچہ ۳

چندہ اشتراک
سالانہ عہ ۔ پیشگی
ششماہی ۱۲ ۔
سہ ماہی ۸ ۔

جلد ۵ یکشنبہ ۱۹ صفر سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۸ مارچ سنہ ۱۹۴۲ء نمبر ۸-۹

حسینؑ

بجلی تھے ظلم کے لئے ـــــ آگ تھے۔ کفر کے لئے ـــــ آندھی تھے۔ ملوکیت کیلئے سیلاب تھے۔ طاغوتی اصولوں کے لئے ـــــ قہر تھے۔ یزیدیت کے لئے ـــــ ایمان تھے۔ مسلمانوں کے لئے ـــــ رحمت تھے۔ انسانوں کے لئے ـــــ زندگی تھے۔ اسلام کے لئے ـــــ روح تھے کربلا کے لئے

پھول مسکرائے ـــــ اکبرؑ کی جوانی پر
بہاریں جھومیں ـــــ عباسؑ کے حسن پر
بلبلوں نے ترانے گائے ـــــ حسینؑ کی فتح پر

اور

کانٹوں نے انگلیاں اٹھائیں ـــــ یزید کے ظلم پر

(عبدالرحمن بمبئی)

شیخ محمد صدیق بی اے ایڈیٹر و پبلشر نے ... الیکٹرک پریس ... سے چھپوا کر ... روڈ لاہور سے شائع کیا۔

ہفت روزہ "رضاکار" لاہور

یکشنبہ ۱۹ صفر سنہ ۱۳۶۱ھ

اربعین نمبر

صدیق

رضاکار کا محرم نمبر جن حالات میں مرتب کیا گیا تھا وہ ناظرین سے پوشیدہ نہیں حقیقت یہ ہے۔ کہ ہمدردان رضاکار میری حوصلہ افزائی نہ فرماتے۔ تو مجھ سے امسال محرم نمبر کا شائع ہونا ناممکن سا تھا۔ دل چاہتا تھا۔ کہ اس سال سرکار حسینی میں کل نقد تحفہ پیش کروں، مگر میری مجبوریوں نے میرے ارادوں کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچنے دیا۔ اور ناچیز یہ طبق خلوص میں سجا کر شہنشاہ شہادت کی درگاہ میں بامید قبول پیش کر دیا۔ مجھے یقین ہے۔ کہ آقا غریب پرور اپنے ادنےٰ ترین غلام کے عقیدت کیشانہ تحفہ کو حسن قبول کے پھولوں سے مہکا دیں گے۔

میرا یقین ہے۔ جس طرح کربلا کے شہیدوں نے دنیا کے امن سے ظلم و ضلالت کے بدنما دھبوں کو اپنے مقدس خون سے دھو دیا ہے۔ اور ہر انسانیت نواز بندہ ان حق پسند شہیدوں کے سامنے سر نیاز جھکانا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اسی طرح اسیران آل محمدؐ نے بیرو استبداد۔ کفر و الحاد کی اکڑی ہوئی گردن کو بندھے ہوئے ہاتھوں سے جھکا دیا ہے

سچ یہ ہے۔ کہ اگر کربلا کا قیدی یوم شہادت سے لیکر بانی شام تک بازاروں درباروں میں فلسفہ شہادت کو زندہ خطیبوں اور تقریروں سے پیش نہ کرتا۔ تو کربلا کی قربانی کا تماشا نامکمل اثر نہ پیدا کرتی۔ آج عالم گیر شور و شین بلند ہونے والی صدا ہائے حسین بیمار کربلا کی زنجیر کی صدائے بازگشت ہے۔

رحمۃ العالمین کی گود کے پلے دنیا کو قید جہنم سے آزاد کرنے کے لئے عشق الٰہی کے زیور پہنے شام و کوفہ کے بازاروں میں متاع ایمان و انسانیت کے انبار لگا رہے تھے۔ آہ جوان حرم پابہ زنجیر شقاوت امت احمدیہ کے سلسلہ کو قائم کر رہے تھے۔ میرا ایمان ہے۔ کہ بقاء اسلام کا جو خاکہ میدان کربلا میں بنا تھا۔ اسیران کوفہ و شام نے اس میں رنگ بھر کر اس کو خلعت دوام بخش دیا۔

ادارہ رضاکار ان عفت مآب شہزادیوں کی اسیری کی یاد میں یہ ناچیز ہدیہ نہایت خلوص و عقیدت کے ساتھ سردار اسرا حضرت زینبؑ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں۔ کہ رضاکار پابندی وقت کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہے تو آپ بھی اپنا چندہ پابندی وقت کے ساتھ ارسال فرماتے رہا کریں۔

(مینیجر)

کے انچارج سرکار شہادت امام حسین علیہ السلام ہیں۔ اور
عاشور کے بعد اس مظاہرہ روحانیہ کی انچارج سرکار مصیبت
صدیقہ صغریٰ عالمہ غیر معلمہ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا
ہیں۔ یہ محسنۂ اسلام کربلا کی عظیم الشان قربانیوں میں سرکار
شہادت کی شریک کار ہیں۔ اسی لئے لقب شریکۃ الحسین
سے ممتاز ہیں۔ اس معصومہ کے نام میں بھی نام حسین کی
طرح درد بھرا ہے۔ ملا محتشم علیہ الرحمۃ نے سچ کہا ہے ؎

سہ چیز ہست کہ دل را بجز بہ درد بہ لقب
اول حسین دوم کربلا سوم زینب

زینب آپ کا اسم گرامی دو لفظوں سے مرکب ہے
زین اور اب یعنی باپ کی زینت۔ آپ کا یہ اسم سامی
آپ کی جلالت شان کی دلیل ہے۔ اس معصومہ کے عظمت
و جلال کا کیا کہنا۔ جو علی جیسے یکتائے دہر باپ کی زینت ہو
روایات میں موجود ہے۔ کہ یہ نام سرکار رسالت نے ایمائے
وحی سے تجویز فرمایا ہے۔ آپ کے مشہور القابات بہت ہیں۔
صدیقہ صغریٰ۔ العصمۃ الصغریٰ۔ ولیۃ اللہ العظمیٰ۔
ناموس الکبریٰ۔ الراضیۃ بالقدر والقضا۔ امینۃ اللہ
عالمہ غیر معلمہ۔ فہمیہ غیر مفہمہ۔ محبوبۃ المصطفیٰ۔ قرۃ عین
مرتضیٰ۔ نائبۃ الزہرا۔ شقیقۃ الحسن المجتبیٰ۔ شریکۃ الحسین
اسیر الشہدا۔ زاہدہ۔ فاضلہ۔ عاقلہ۔ کاملہ۔ عالمہ۔ محترمہ
وثقہ۔ کعبۃ الرزایا۔ مظلومہ۔ وحیدہ۔ عقیلۃ القریش
الباکیہ۔ الفصیحہ البلیغہ الشجاعہ۔ عقیلۃ خدا الرسالۃ
رضیعہ ثدی الولایت رحمۃ للعالمین [illegible]
ان القابات میں سے ہر لقب کی توضیح پر کتب
تحریر ہو سکتی ہیں۔ اس مختصر مضمون میں اس کی گنجائش نہیں
میں چاہتا ہوں۔ [illegible]
[illegible] عرض کردوں

واقعہ کربلا میں سرکار مصیبت ام المصائب ہر امر میں
سرکار شہادت کی شریک ہیں۔ وطن کے ترک کرنے میں شریک
جنگلوں میں مارے مارے پھرنے میں شریک۔ بھوک اور پیاس
میں شریک۔ رنج و مصیبت میں شریک ہیں۔ بلکہ میں کہوں گا
کہ شہادت حسینیہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں شریک ہیں۔ اس کے
متعلق مجھے ایک نکتہ یاد آیا۔ جو میں نے اپنے خاندان اساتذہ
دودمان عالیہ ارسطو جاہی سے سنا ہے۔

مشہور روایت ہے۔ کہ بعد شہادت حضرت علی اکبر جب
سرکار شہادت فرزند دلبند کی نعش پر پہنچے ہیں۔ تو حضرت
نے دیکھا کہ ایک مخدرہ عصمت و طہارت ان سے پہلے نعش
پر پہنچ چکی ہیں۔ اور نعش سے لپٹی ہوئی ہیں۔ سرکار مصیبت کا
اپنے بھائی سے پہلے نعش پر پہنچنا اضطراری فعل نہیں تھا۔
بلکہ ایک نفسیاتی شاہکار تھا۔ اس واقعہ کو سمجھنے کیلئے
اس قدر جان لینا ضروری ہے۔ کہ سرکار شہادت کو حضرت
علی اکبر سے بے حد محبت تھی کیونکہ یہ محبت صرف باپ بیٹے کی
محبت نہ تھی۔ بلکہ ان کمالات کی وجہ سے تھی۔ اول وہ فطرتی
محبت جو ہر باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے۔ دوم معرفت
خدا کی وجہ سے جو اس نوجوان کو حاصل تھی۔ سوم آپ صورت
و سیرت و صوت میں شبیہ رسول اللہ تھے۔ چہارم آپ کے
جد بزرگوار کے ہم نام تھے۔ ایسے صاحب کمالات بیٹے
کی نعش پر پہنچ کر اس بات کا امکان تھا۔ کہ سرکار شہادت کی
روح اقدس صدمہ جانکاہ کے باعث قفس عنصری سے پرواز
کر جائے۔ ماہر نفسیات بہن اس حقیقت کو ملحوظ رکھ کر
نعش پر پہنچیں۔ کیونکہ علم النفس کے ماہرین جانتے ہیں
کہ کسی جانکاہ صدمہ پر کوئی دوسرا رنج گزرے۔ جو اس سے
بھی زیادہ اہم ہو۔ تو پہلے صدمہ کا اثر کم ہو جاتا ہے۔ یہ
ظاہر ہے کہ ایک مخدرات ننگ و ناموس پر [illegible]

بھی قربان کرسکتا ہے حضرت علی اکبرؑ کا شہید ہونا اگرچہ
صدمۂ عظیم تھا۔ مگر صدیقۂ صغریٰ کا میدانِ جنگ میں آنا
اس سے عظیم تر۔ اسی لئے صدیقۂ صغریٰ کو نعش پر دیکھ کر
سرکار شہادت حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کو بھول گئے۔ اور اپنی
عبا اس مخدرہ پر ڈال کر فرمایا بہن خیمہ میں چلو۔ گویا سرکار
ام المصائب اس نفسیاتی شاہکار سے تکمیل شہادت
حسینیہ کا باعث ہوئی ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ سرکار ام المصائب نے
جہاد نہیں فرمایا۔ کیونکہ عورتوں کے لئے جہاد نہیں۔ میں کہوں
گا کہ حضور روحی فداہا نے جہاد بھی فرمایا ہے۔ اور اس
لحاظ سے بھی وہ مخدرۂ عصمت وطہارت شریکۃ الحسینؑ
ہیں۔ پیغمبر یا امام کی حفاظت کرنا جہاد ہے۔ مجاہدۂ کربلا
نے بہت سے مواقع پر سید الساجدین علیہ السلام کی حفاظت
فرمائی ہے۔

(۱) جب یزید کا لشکر تاراجی خیام کے لئے داخل خیام
ہوا۔ تو شمر ملعون نے قصد کیا۔ کہ بقیۂ آل محمد کو بھی شہید کر
دے معصومہ نے سپر بنکر حفاظت فرمائی۔

(۲) آتش زدگی خیام کے وقت اس متاعِ روحانیت
کو اپنے سینہ سے لگا کر آتش سوزاں سے عبور فرمایا۔ اور
اپنے جسم کو سپر بنایا کہ اس ہمدم آل محمدؐ کے جسم پر آنچ نہیں
آنے دی۔

(۳) وقت گذر قتل گاہ آپ کی نظر جناب سید سجادؑ
پر پڑی تو دیکھا کہ آپ کی حالت ایسی متغیر ہے۔ کہ قریب ہے
کہ روح اقدس پرواز کر جائے۔ اور فوراً اس طرف متوجہ
ہوئیں۔ وہ بنظر تسلی فرمایا۔ مالی اریک تجود بنفسک
یا بقیۃ الماضین۔ یعنی اے یادگار اسلاف میں دیکھتی ہوں
کہ تمہاری روح نکلی جاتی ہے۔ اور حدیث ام ایمن بیان
فرما کر تسلی دی۔

(۴) دربار یزید کوفہ و شام میں مذہب کی حفاظت
جان میں اپنی جان دینے سے بھی دریغ نہ فرمایا۔

مختصر صدیقۂ صغریٰ ہر حیثیت سے شریکۃ الحسینؑ
ہیں۔ اگر حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس سفر میں مختلف
مواقع پر خطبے کے فرائض کو انجام دیا تو صدیقۂ صغریٰ
نے بھی اپنے خطبات سے روحانیت اور حقانیت کی نیابت
فرمائی۔ چنانچہ میں ان کی ایک تقریر کا خلاصہ اردو زبان میں
ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ یہ وہ تقریر ہے جو ام المصائب
روحی فداہا نے بازار کوفہ میں ارشاد فرمائی جس کے سننے
والے راوی کہتے ہیں کہ اس طرح معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا
سرکار ولایت خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ خلاصہ
تقریر یہ ہے۔

تمام حمد خدا کے لئے ہے۔ اور میرے باپ اور ان کی
برگزیدہ اور پاک آل پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔ اما بعد۔ اے
کوفیو! اے دغا بازو! اے مکارو! تم روتے کیا ہو خدا
کرے۔ تمہارے آنسو کبھی نہ تھمیں۔ اور تمہاری [illegible] کبھی
موقوف نہ ہو۔ تمہاری مثال اس عورت کی طرح ہے۔ جو
اپنا دھاگا مضبوط بنا کر توڑ ڈالے۔ تم اپنی قسموں کو [illegible]
مکروفریب کا حیلہ قرار دیتے ہو۔ تمہارے پاس [illegible]
لونڈیوں کی سی خوشامد اور دشمنوں کے پاس چغل خوری کرنے
کے سوا کچھ نہیں۔ گویا تم گھوڑے کی چراگاہ ہو۔ جس کی سطح
خوش منظر ہوتی ہے اور نیچے گندگی۔ یا اس چاندی کی مثل ہو
جس سے کسی قبر کو سجایا گیا ہو۔ گویا بظاہر درخشاں و باطن
تاریک۔ ہاں تمہارے نفسوں نے برے اعمال پیش کئے ہیں
جن کے سبب خدا تم پر غضبناک ہے۔ اور تم ہمیشہ عذاب
میں مبتلا رہو گے۔ تم گریہ کرتے اور نالہ و فغاں کرتے ہو

ہاں قسم خدا کی زیادہ روؤ اور کم ہنسو۔ تم پر وہ دھبہ لگا ہے جسے دھو کر تم دور نہیں کر سکتے۔ تم ختم المرسلین کے فرزند ارجمند کے خون کا دھبہ کیونکر دھوؤ گے۔ وہ فرزند رسول جو سردار جوانان جنت، تمہارے بھلے کے لئے پناہ تمہارے لئے محل امن، تمہاری ہدایت کے لئے دلیل واضح اور تمہارا رہنما تھا۔ ہاں تم نے بدکاری کا بہت بڑا بوجھ اٹھایا خدا کرے تم برباد و ہلاک ہو جاؤ۔ یقیناً تمہاری کوشش اور تدبیر ضائع اور تمہاری کمائی اکارت ہوئی۔ تم غضب خدا میں گرفتار اور ذلیل و خوار ہوئے لے کوفیو! تمہارا برا ہو۔ تم نے جگر رسول اللہ کو چاک کر ڈالا۔ اور ان کی محترم ذریت کو گھروں سے باہر نکالا۔ اور کیسی کچھ خونریزی اور بے حرمتی کی۔ بے شک تم ایک ایسے امر عظیم کا رتحت اور فعل بد کے مرتکب ہوئے، جس کی سختی اور برائی سے زمین و آسمان بھر جائیں۔ کیا تم آسمان سے خون برسنے پر تعجب کرتے ہو ایسی کیا بات ہے۔ یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ تر ذلیل کرنے والا ہے۔ خدا نے اس وقت جو تمہیں ڈھیل دے رکھی ہے (اس پر نہ پھولنا) یہ ڈھیل تم کو عمل خیر سے باز نہ رکھے۔ خدا جلد گرفتار کرنے سے شرماتا نہیں بے شک تمہارا پروردگار گھات میں ہے۔

اس تقریر میں حسینیت کی زندہ جاوید روح بول رہی ہے۔ اور ظلم و یزیدیت پر لعنت برسا رہی ہے۔ اس تقریر میں اعمال سیئہ اور افعال قبیحہ کے انجام کی سچی تصویر کشی ہے۔ مکر و فریب کا نتیجہ مکاروں کو دنیوں پر حقائق کی بجلیاں گرا رہا ہے۔ اور بنی نوع انسان کے سامنے عبرت کا آئینہ پیش کر رہا ہے۔

سلام ہو ہمارا تجھ پر اے صدق و صداقت کی جنت اور تقوی تصویر اے صدیقہ کبرا اور صدیقہ کبریٰ کی یادگار زینب

اے سراپا صدق بھائی کی سراپا صدق بہن اس مجمع عام میں تو الٰہی تقریب کے فرائض کو انجام دے رہی ہے۔ ان مصائب میں ان آلام میں ان حسرتوں میں اس شان سے اللہ کے کاز کی نقابت کرنا تیرا ہی حصہ ہے۔ تو نے ہر مقام پر اپنے بھائی کے مشن کی وکالت کی ہے۔ تو نے مظلوم بھائی کی شہادت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اگر تو نہ ہوتی۔ تو شہادت اس عظیم الشان طریق سے دنیا کے سامنے پیش نہ کی جا سکتی۔ یہ وجہ تھی، کہ وہ بہن بھائی نے امور الیہ کا چارج تجھے تفویض فرمایا۔ تاکہ تو مردوں کے بعد عورتوں کے لئے صیانت دین کے فرائض کا مظاہرہ کرے۔ ہمارا تجھ پر سلام ہو۔ تیری اس نقابت پر سلام ہو۔ آج ہمیں تیرے روحانی انقلابات کی ضرورت ہے۔ اور شیعہ کہلانے والی عورتوں پر روحانی پردہ ڈال کر انہیں اپنی روحانیت کے رنگ میں رنگ دے انہیں ایسا دل دے۔ جو صیانت دین کے لئے اولاد تک کو قربان کرنے سے دریغ نہ کرے۔ دنیا پر مصیبت کی گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں، ہمیں ان حالات میں تیرے عزم راسخ کی ضرورت ہے۔ اور ہمیں اپنی روحانیت سے اپنے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ تاکہ ہم دنیا میں تیرے بھائی کے مشن کو تیرے مشن کو تیرے آباد اجداد کے مشن کو پورا کر سکیں۔

سلام پیش کرنے والا سلامی۔ تیرے بھائی کا شکستہ دل شکستہ قلم سوانح نگار غلام ازلی
محمد لطیف انصاری

لیں تو رہ جہاد میں کتنوں نے سر کٹا دیئے
پھر بھی حسین سا شہید نکلا نہ روزگار میں
(محسن اعظم گڑھی)

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

تیرے صبر و ضبط کی ہر آرزو بر آ گئی — بیکسی کا جی بھر آیا تشنگی مرجھا گئی
عشق کی بنیاد رکھی نینوا کی خاک پر — ابرِ رحمت بن کے برسا کربلا کی خاک پر

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

اک اشارہ پر گرے یوں مرنے والے ٹوٹ کر — لے گیا پیکِ اجل ساری کمائی لوٹ کر
ظالموں نے زخم دل زخم جگر کیا کیا دئے — تو نہ تڑپا خلق کے سینوں میں دل تڑپا دئے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

یوں سرِ میداں نہ لایا ہر قریب و دور کو — ساتھیوں کے تو نے دل پرکھے شبِ عاشور کو
اک نگاہِ خاص تیرے التفاتِ عام کی — زندگی تھی موت کی تلوار کی اسلام کی

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

سچ علم ترا احساں ہے کل اقوام پر — تو نے اپنا سر دیا انسانیت کے نام پر
[illegible] ہے انقطاعِ عام پر جہاں بانی تری — اب پرستش کر رہی ہے نوعِ انسانی تری

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

خون کی دھاروں سے ایوانِ حکومت ڈھا دئے — حق کی قربان گاہ پر کتنے گلے کٹوا دئے
جرم [illegible] سرمایہ پرستی رہ گئی — مٹ گئی قاتل کی ہستی تیری ہستی رہ گئی

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

تھم گئی سیلِ جفا طوفانِ بدعت ٹل گئے — تیرے سر کے سامنے اشرار کے سر جھک گئے
بندگانِ ظلم کو حکمِ زباں بندی دیا — نوکِ نیزہ سے بھی فرمانِ خداوندی دیا

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

داعیِ دشتِ الم! نینوا کا قصد ہے — پھر اسی ہنگامۂ کرب و بلا کا قصد ہے

ہجر میں فریاد کی ہے خواب گاہ ناز نے
خاک سے اٹھ کر پکارا ہے کسی جانباز نے
السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

بجھ گئے دل امتیاز مرگ و ہستی سے چلا
جانے والے تو ہمارے گھر کی بستی سے چلا
کیا خفا کچھ ہو گئے بندوں سے آقا کیوں گئے
ننھے بچے روز پوچھیں گے کہ مولا کیوں گئے
السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

چرخ کے روشن ستارے متصل بجھتے ہوئے
ادھ جلی شمعوں کی خاموشی سے دل بجھتے ہوئے
گوشۂ مشرق میں دھندلی روشنی سہمی ہوئی
موت کی غمگیں فضا میں زندگی سہمی ہوئی
السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

کیا پسند آئی ہے اے خلوت نشیں کربلا
جس نے پیاسا تجھ کو مارا وہ زمیں کربلا
وہ زمیں جو آسمانِ ظلم پر چھا گئی
جس پہ وقتِ عصر سجدے میں تجھے نیند آ گئی
السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

وہ زمیں اکبرؑ سا جس پہ مہ لقا مارا گیا
جس پہ تیرا قافلے کا قافلہ مارا گیا
کلیاں کیں خوں کی تشنہ دہن بے شیر نے
دودھ اصغرؑ کا بڑھایا جس زمیں پہ تیر نے
السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

جس زمیں نے تین دن طوفاں اٹھائے پیاس کے
خون پیاسا نہر پہ شانے کٹے عباسؑ کے
جس نے مسلمؑ کے یتیموں کی جوانی لوٹ لی
دو لٹے ہمشیر، بھائی کی نشانی لوٹ لی
السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

جس زمیں پر آب خنجر تا گلو بہتا رہا
شام کو خیمے جلے دن بھر لہو بہتا رہا
جس پہ سر کاٹے گئے ایماں کی تعزیر میں
جس پہ آلِ مصطفیٰ جکڑی گئی زنجیر میں
السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

بے حسوں میں زندگی پھیلانے والے مرحبا ہند میں تربت سے اُٹھ کر آنے والے مرحبا
ہو مبارک تحفۂ اشکِ عزا لینا تجھے ہے ابھی ملت کے دل کا جائزہ لینا تجھے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

ماتمی لاکھوں ہیں نفس بے ریا کس کس میں ہے دیکھنا ہے تیرے اسوہ کی ادا کس کس میں ہے
کس قدر قومی جہالت کا علم اونچا ہوا پوچھتا جا میری محنت کا نتیجہ کیا ہوا

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

الوداع اے خون میں رنگیں ستارے الوداع الوداع اے بے سہاروں کے سہارے الوداع
منتظر ہے تیرے قدموں کی جبینِ کربلا آ رہا ہے تیرا کشتہ اے زمینِ کربلا!

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

اے مسافر تجھ پہ تیرے میزبانوں کا سلام ہند کے بوڑھوں کا، بچوں کا، جوانوں کا سلام
درد قومی جن کو ہے اُن خستہ حالوں کا سلام ملک اور ملت کی خاطر مرنے والوں کا سلام

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

پیاس کے مارے ہوئے، دریا کا، نہروں کا سلام تا ابد گنگ و جمن کی پاک لہروں کا سلام
جانے والے صف بصف کھیتوں کا، باغوں کا سلام اے مسافر ماتمی سینوں کے، داغوں کا سلام

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

تجھ پر اے مظلوم بھارت کے سپوتوں کا سلام ہند کے نادار مزدوروں، اچھوتوں کا سلام
زندگی کی دوڑ میں ہم سُست گاموں کا سلام تاجدارِ حریت تجھ پہ غلاموں کا سلام

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

نپولین اعظم بے شمار فوج ساتھ ہونے کے باوجود واٹرلو کے میدان میں ہار گیا۔
حسینؑ لشکر نہ ہونے پر بھی بے شمار یزیدی فوج کے مقابلہ میں جیت گئے
بتائیے کون اچھا جرنیل تھا

اسیرانِ کربلا

از سرکار علامہ ہندی مولانا سید احمد صاحب قبلہ مدظلہ، لکھنو،

شہادت امام حسین علیہ السلام کی اہم کڑی اسیری اہلبیت ہے۔ اگر اسیری نہ ہوتی۔ تو حسینی مشن ناکام رہتی۔ امام حسینؑ ان تمام مصائب و شدائد کو جھیل کر ریگستان کربلا میں مع اعوان و انصار و اعزہ خون میں لوٹتے اور بنی امیہ یہ کہتے رہتے۔ کہ ملک گیری کے لئے امام حسینؑ نے یہ سب مصائب جھیلے۔ شکست خوردوں کا آخری نتیجہ ایک کا قتل دوسرے کی فتح ہوتی ہے۔ یزید کا تصور یہی کیا تھا۔ امام حسینؑ اور ان کے مشن کی روح رواں زینبؑ خاتون اس راز کو خوب سمجھتی تھیں۔ اسی لئے سفر عراق سے روکنے والوں اور اطفال و نسواں کو ہمراہ نہ لے جانے کے مشوروں پر خود امام حسینؑ اور زینبؑ خاتون راضی نہ ہوتی تھیں۔ پورا قافلہ زن و اطفال کے ساتھ گیا۔ اور یزیدیوں کی مشق ستم میں حصہ دار رہا۔ کیا ایک ملک گیری کا حریص خود ایسی نا سمجھی کر سکتا ہے۔ اور مشورہ دینے والوں کے صحیح مشوروں کا بھی احترام نہیں کرتا؟ نہیں نہیں۔

امام حسینؑ کے قافلے میں اطفال و نسواں کا ساتھ رہنا شہادت وہ واضح دلیل اسیات کی ہے۔ کہ وہ جنگ دیکھا، اور ملک گیری کے خیال سے مدینہ سے نہ نکلے تھے۔ اور سفر کی پہلی منزل سے یہ دیکھتے ہیں۔ کہ ان کا مقصد ہرگز جنگ و پیکار نہیں ہے۔ نہ ان کو حکومت اور ملک گیری کی طمع ہے۔ یہ عملی ثبوت ان گفتگوؤں اور تقریروں کے ساتھ جو امام مظلوم نے بار بار یزیدیوں سے فرمائیں۔ بنی امیہ اور ان کے طرفداروں کے غلط پروپیگنڈہ کا تار و پود بکھیر دیتا ہے۔ اس کے بعد اگر اسیری اہلبیت نہ ہوتی، تو امام حسینؑ خاموشی سے شہید ہو جاتے۔ اور بجز چند فوجیوں کے عام شہرت اس خون ناحق کی نہ ہوتی۔ اور اگر ہوتی تو ایک مدت دراز کے بعد جب اس خون ناحق کا جوش دنیا مٹ لیتا اور جذبہ انتقام خون ناحق کا عرصہ گزرنے کے بعد فرو ہو جاتا۔ اور یزیدیوں کو بھی اس عرصہ میں اپنی ڈپلومیسی سے بہت کچھ تدارک کا موقع ملتا۔ اور یہ خون ناحق مفت رائگاں ہوتا۔

اس لئے حسینی مشن نامکمل تھی۔ جس کی تکمیل ان کی ماں جائی زینبؑ خاتون نے اپنی ہمت صبر و استقلال سے کی۔ جس کی بنیاد امام حسینؑ نے کربلا کی ریتلی زمین پر رکھی تھی۔ اسیروں کا قافلہ سالار جناب زینبؑ اور جناب ام کلثوم کے خطبے اور تقریریں کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام اور شام سے مدینہ منورہ تک اس شہادت عظمیٰ کی

مرد عورت سے افضل ہے

یہ ہے ایسا نظریہ جو نوع بشر میں ہمیشہ باقی رہا ہے مگر کربلا کی عورتیں اپنے کارناموں سے ثابت کر گئیں۔ کہ وہ لاکھوں بلکہ کروڑوں مردوں سے افضل ہیں

نہایت کامیاب تبلیغ کرتی ہیں۔ ابن زیادہ کے بھرے دربار کی تقریریں اور یزید کے پرشان و شوکت دربار کی گفتگو اور تقریریں ایک طرف یزید اور اس کے طرفداروں کے مذہبی عقائد ان کے کیریکٹر ان کی سیاسی چالوں کی عریاں میں پردہ دری کرتی رہیں۔

دوسری طرف خاندان رسالت کی مذہبی عظمت و شان حقوق اولاد رسول۔ خدا کی درگاہ میں تقرب۔ شہادت کے اسباب و علل۔ فریضہ امام۔ قاتلوں کا اخروی نتیجہ۔ شہادت کے سیاسی پہلو۔ بنی امیہ کی فاسد نیتوں کو پیش کرنے میں کامیاب ہوئیں۔

یہ مخدرات عظمت مظلومانہ اسیری کی صورتیں بے مقنع و چادر اونٹوں کی پشت پر رسیوں سے بندھے شانے اور گردنیں۔ تمازت آفتاب سے کملائے چہرے پھٹے پرانے گرد آلود لباس۔ بھوک پیاس سے بچوں کا جوزد غوے صدقے کے بے تابی سے منہ میں رکھ لینا۔ آنکھ سے آنسو نکلنے پر نوک نیزہ اور پشت کا تازیانوں سے زخمی ہونا۔ ان مجبور حالتوں کے ساتھ دیار بدیار پھرائے جانا تماشائیوں کے مجمع میں اپنی بے کسی و اسیری کی صورتوں کو پیش کرنا ناظرین پر کتنا اثر کرتا ہوگا۔ اور آنے والی نسلوں کے لئے تاریخی صفحات قیامت کے لئے اپنی جیتی جاگتی مظلومیت و حق پرستی ایثار و قربانی۔ صبر و استقلال ہمت و شجاعت کی تصویر پیش کرتی رہیں گی۔

ظالم کے مخالفوں کی کوششیں بنی امیہ کی استبدادیت ملوکیت۔ سرمایہ داری کو خود فراموشی۔ ظلم و جبر کی داستانوں سے چھپانا چاہیں۔ تب ممکن ہے کہ چھپا سکیں۔

ایک طرف بیمار امام کا ضعیف اور بھرائی ہوئی آواز سے پکار پکار کر یہ کہنا "مجھ کو راہ شام میں اس ذلت و رسوائی سے لئے پھرے۔ جیسے ایک ایسے غلام حبشی کو جس کا آقا اور والی وارث نہ ہو۔"

اور مجمع عام میں کوفیوں شامیوں کی فتحمندانہ منادی "اے اہل کوفہ و شام آگاہ ہو یہ اسیر اولاد محمد مصطفےٰ ہیں"

مذکورہ نداؤں کے سننے والے بے خبر اقوام اولاد رسولؐ کی اس ہتک و بے عزتی کو دیکھکر جو یزیدیوں کے ہاتھوں ہوئی۔ ان کی اسلامیت۔ مذہبیت۔ انسانیت اخلاق معاشرت۔ سیاست کے متعلق کیا فتوے دیتے ہوں گے۔

کل کی بات ہے۔ انہیں کوفیوں نے فاتح علیؑ مرتضےٰ کا اپنے مغلوب دشمن سے برتاؤ دیکھا تھا۔ کہ انتہائی عزت و احترام سے پیش آتے تھے۔ آج انہیں کی اولاد سے کیا کمینہ پن ذلالت اور وحشیانہ برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ نہ قرابت قریبہ رسولؐ کا پاس ہے۔ نہ بے قصور اور لاوارث عورتوں بچوں پر رحم و کرم ہے نہ احکام اسلامی کی پرواہ ہے۔ نہ سیرت رسولؐ کی ان کی آنکھوں میں کوئی منزلت ہے۔ اسی منہ سے دعوئی اسلام اور خلافت اسلامی پر قبضہ اور انہی کی طرفداری میں رکیک تاویلیں کی جائیں۔ اور مجالس عزا پر ناک بھوں چڑھانا اور بدعت، بدعت پکار کر سچے درد رکھنے والوں کو اشک ریزی اور اسلام کی ہتک پرستیہ کوبی کو منع کیا جاتا ہے۔ شرم بشرم

حضرت مسیح نے چند مردوں کو زندہ کر دیا ہے۔ مگر اپنی زندگی میں ——————!

حسینؑ نے پوری قوم کو زندہ کر دیا اور وہ بھی اپنی موت کے بعد ——————!

شہادت امام مظلومؑ کے بعد

از رشحات قلم۔ ادیب اعظم حضرت مولانا السید ظفر حسن صاحب قبلہ۔ امروہوی

سنہ ۶۱ھ میں عاشور محرم کو خاندان رسالت کے تباہ و برباد کرنے کے بعد یزید اور اس کے دامن دولت سے وابستہ لوگ اس خیال سے خوش تھے۔ کہ اب وہ دنیا کے ساتھ دین پر بھی پورا پورا اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن انھوں نے بہت جلد دیکھ لیا۔ کہ بے گناہوں کا خون رنگ لانے لگا۔ اور قصر جور و استبداد کی بنیادوں میں زلزلے آنے لگے۔ امام مظلوم اپنی شہادت کے مقصد عظمیٰ میں بہت جلد کامیاب ہو گئے۔ اور اسلامی دنیا جو انتہائی جمود و بے حسی کے عالم میں پڑی ہوئی دنیوی گندہ اغراض پر دینی مفاد کو قربان کر رہی تھی۔ یکایک اپنی خواب غفلت سے چونک پڑی۔ شہادت کو تیسرا یا چوتھا ہی دن تھا۔ کہ اسیران بے وارث کا قافلہ بازار کوفہ میں انتہائی تذلیل و تحقیر کے ساتھ تشہیر ہوتا ہوا ابن زیاد کے دارالامارہ کی طرف بڑھنا شروع ہوا۔ اس وقت اس لٹے ہوئے پریشان حال قافلہ میں سوائے امام مظلومؑ کے ایک بیمار فرزند کے جس کو فرط نقاہت سے اونٹ کی پشت پر غش پر غش آ رہے تھے۔ اور کوئی مرد باقی نہ تھا۔ وہی اس شکستہ حال قافلے کے قافلہ سالار تھے۔ دکھیا عورتیں ستم رسیدہ بی بیاں تباہ حال بنی زادیاں بے کجاوہ و عماری کے اونٹوں پر سوار تھیں۔ یہی درحقیقت اسلامی تبلیغ کے وہ زبردست سامان تھے۔ جن کو امام مظلوم مدینہ سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد وہ مسلمانوں کے جس قالبوں کو اپنی آہوں کے تیز نشتر مار مار کر اس طرح چونکا سکیں۔ کہ ان کی باتیں سننے کے لئے ان کے بند کان کھل جائیں۔ ایسی حالت میں جبکہ لاکھوں تماشائی ادھر گرد جمع تھے۔ اور خاندان رسولؐ کی اس تباہ حالت کو دیکھ کر بجائے در و دیوار سے سر پھوڑنے کے مسکرا رہے تھے۔ اور قطعاً اس سے بے خبر تھے۔ کہ یہ ظلم کی چھری کس کے کلیجہ پر چل گئی۔ اور یہ بھرا گھر کس کا تباہ و برباد ہو گیا۔ جناب علیا مکرمہ زینب خاتون سلام اللہ علیہا نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"اے اہل کوفہ اے مکر و فریب کے پتلو! کیا تم کو اس کی خبر نہیں۔ کہ یہ چھری کس کے کلیجہ پر چلی ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ یزید کے ظلم و ستم نے یہ کس خانوادہ گرامی کو تباہ و برباد کیا ہے؟ کیا تم کو اس کا پتہ نہیں کہ یہ کون بی بیاں ہیں۔ جن کو تم اسیر و مقید کر کے بندیات ترک و دیلم کی طرح یوں سر بازار تشہیر کر رہے ہو۔ اے بے حیاؤ۔ اے فسادیو۔ تمہاری غیرت کہاں گئی۔ تمہاری انسانیت کو کیا ہو گیا۔ کہ اپنے نبیؐ کے گھرانے کو برباد کر کے خوش ہو رہے ہو۔ اپنے رسولؐ کی اولاد کے سوکھے گلے کاٹ کر اب چین سے اپنے اپنے گھروں میں جا بیٹھے ہو۔ اے ظالمو! آگاہ ہو کہ یہ سر جو سب سے اونچے نیزہ پر تمہارے سامنے گرد و غبار میں اٹھا ہوا جا رہا ہے۔ یہ تمہارے نبیؐ کے نواسہ کا سر ہے۔ جس کو تمہارے نبیؐ نے اپنی چھاتی پر رکھ کر پالا تھا۔ اس کو بے جرم و قصور یزیدی فوج نے کربلا کے میدان میں تین روز کا بھوکا پیاسا رکھ کر قتل کر دیا۔ یہ لٹا ہوا قافلہ یہ سینہ چاک اور سر کشادہ بی بیاں جو اس

وقت زمانہ کے انقلاب سے تمہارے لئے تماشا بنی ہوئی ہیں ان میں علیؑ و فاطمہؑ کی بی بیاں اور تمہارے نبیؐ کی نواسیاں بھی ہیں۔ جن کے منہ کھلے ہوئے اور ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ میرے بھائی حسینؑ نے نہ کسی شریعت میں تصرف کیا تھا۔ نہ کسی کو بے جرم و قصور قتل کیا تھا۔ نہ کسی کا حق غصب کیا تھا۔ وہ معصوم امام تھا۔ خدا کا برگزیدہ بندہ تھا۔ یزید نے محض اپنی خباثت نفسانی کی بنا پر اس کا خون بہایا۔

یہ ایک طوفانی خطبہ تھا۔ جس دکھیا بی بی نے اپنی درد ناک آواز میں ان سنگدلوں کو موم بنانے کے لئے بیان کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سینوں میں دل ہل گئے۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ واقعات کی سطح پر تیرنے والی نگاہیں حقیقت کے سمندر میں جا ڈوبیں۔ سننے والے جب اس درد بھری کہانی کو سنکر اپنے گھروں کو لوٹے۔ تو اضطراب نے کلیجوں کو ہلانا شروع کیا۔ دماغ اس پر غور کرنے لگے۔ کہ نبیؐ کے نواسے کے پیش نظر کیا مقصد عظیم تھا۔ جس نے اتنی عظیم الشان قربانی پر ان کو مجبور کیا۔ جو لوگ نصرت امام مظلومؑ سے اس وقت دستکش ہو گئے تھے اب اپنی غفلت پر پچھتانے۔ جو لوگ یزید کی خلافت کو برحق سمجھے بیٹھے تھے اب چیتے۔ جو سلطنت کی دھمک سے لرزہ براندام ہو کر گھروں میں بیٹھ رہے تھے اب اپنے کو نفرین کرنے لگے۔ جن پر بزدلی غالب آ گئی تھی۔ اب ان کو شجاعانہ پھریریاں آنی شروع ہو گئیں۔ چنانچہ اسی کا اثر تھا کہ وہی کوفہ جو قتل حسینؑ پر کمر باندھکر نکلا تھا۔ اب اس کا ایک جمغفیر خون حسینؑ کا یزید سے انتقام لینے اور قاتلان حسینؑ کو چن چن کر مارنے پر کمر بستہ ہو گیا تھا۔ دنیا والوں نے وہ وقت بہت جلد اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ کہ قتل حسینؑ کیا کیا رنگ لایا اور قاتلان امام مظلومؑ کس کس دردناک عذاب سے قتل کئے گئے جناب زینبؑ جناب ام کلثوم اور جناب امام زین العابدینؑ کی زلزلہ خیز تقریریں۔ درد میں ڈوبی ہوئی آوازیں۔ دل کو ہلا دینے والی صدائیں بے اثر کہاں رہ سکتی تھیں۔ پہلی ہی آواز میں سرزمین کوفہ کو لرزا دیا۔ یزید وابن زیاد کی شخصیت کو خاک میں ملا دیا۔ یہ اثر اس قدر ہمہ گیر نظر آیا۔ کہ ابن زیاد کو بہت جلد کوفہ میں ایک عظیم الشان فتنہ برپا ہوتا ہوا نظر آنے لگا۔ یہی سبب تھا۔ کہ اس نے بہت جلد اسرائے اہلبیت کو دمشق بھیجنا منظور کیا۔ مظلوم کربلا کی شہادت اور اہلبیت کی آہ کا اثر صرف کوفہ ہی تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ اس کا سلسلہ برابر آگے ہی بڑھتا رہا۔ چنانچہ کوفہ سے جب روانگی ہوئی۔ تو تیسری منزل موصل تھی۔ یہاں کے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا۔ کہ فوج یزید امام حسینؑ کا سر لا رہی ہے۔ اور اس کے ساتھ اہل حرم بھی مقید ہیں۔ تو ایک عجیب و غریب شورش بر پا ہوئی۔ اہل موصل نے اپنے حاکم سے کہا۔ کہ ہم ان بدذاتوں سے بغیر لڑے نہ رہیں گے۔ آخر یہ طے پایا۔ کہ موصل کا دروازہ ان لوگوں پر بند کر دیا جائے۔ اور ہرگز ادھر سے نہ گزرنے دیا جائے۔ اسی طرح چوتھی منزل تکریت کی تھی۔ یہاں بھی قتل حسینؑ کی خبر نے ایک ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ اور مسلمانوں کا کیا ذکر عیسائی تک قاتلان حسینؑ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ شمر کو یہ حال معلوم ہوا۔ تو اس راہ کو اس نے چھوڑ دیا۔ چھٹی منزل شہر لیا تھی۔ یہاں کے لوگوں کو جب معلوم ہوا۔ کہ یہ ملاعین حسینؑ کا سر کاٹ کر لائے ہیں۔ تو انہوں نے برملا قاتلان حسینؑ پر لعنت کی۔ اور فوج یزید سے برسر پیکار ہو گئے۔ ایک دن صبح سے شام تک برابر کشت و خون ہوتا رہا۔ دسویں منزل قنسرین پر بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ شہر کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ اور لوگوں نے اپنے مکانوں کی چھت پر چڑھ کر فوج یزید پر پتھر پھینکے اور شہر پناہ کے دروازے پر مسلح ہو کر کھڑے ہوئے۔ کہ ہم ہرگز ان جفاکاروں کو اپنے یہاں نہ آنے دیں گے۔ یہ وہ بدبخت ہیں۔

جنہوں نے اپنے بنائے نواسہ کو ذبح کیا ہے۔ بارھویں منزل شہر شیرز تھی۔ یہاں قتل حسینؑ کی خبر سنکر ایک عجیب جوش پیدا ہوا۔ مردوں کا کیا ذکر عورتیں لڑنے پر آمادہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بہت کشت و خون ہوا۔ اہل شیرز نے چاہا کہ سر حسینؑ ان ظالموں سے چھین لیں۔ لیکن کامیاب نہ ہوئے تیرھویں منزل ارض سیبور تھی۔ یہاں کے باشندوں نے بھی فوج یزید سے مقابلہ کیا۔ اور تقریباً ۶۰۰ اشقیا انہوں نے قتل کر ڈالے۔ جناب ام کلثوم نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ خدایا اس شہر کے چشموں کو شیریں و خوشگوار بنا دے۔ اور کھانے پینے کی چیزوں کو ارزاں کر دے۔ چنانچہ اس معظمہ کی یہ دعا اہل سیبور کے حق میں قبول ہوئی۔ پندرھویں منزل حمیص پر بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ اہل حمیص نے جنگ کر کے تقریباً ۵۰ آدمی فوج یزید کے ہلاک کئے۔ سترھویں منزل دیر راہب تھی۔ یہاں کے ایک نصرانی راہب نے فوج یزید کو سخت ملامت کی۔ اور اس فعل شنیع پر غیرت دلائی

اس کے بعد جب دمشق میں پہنچے۔ تو وہاں بھی ایک عظیم الشان انقلاب رونما ہوا۔ جناب زینبؑ اور جناب ام کلثوم اور جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی تقریروں نے شامیوں کے دل ہلا دئے۔ اور ہر شخص کا دل یزید سے پھر گیا۔

ہم کو بالاختصار ان تمام واقعات سے یہ دکھانا مقصود تھا۔ کہ شہادت حسینؑ کے بعد ہی سے یکایک لوگوں کے خیالات یزید نا ہنجار کی طرف سے بدلنے شروع ہو گئے۔ اور ہر طرف سے اس پر لعنت کی پھٹکار پڑنے لگی۔ چونکہ اس بدبخت کے چہرہ کی نقاب الٹ چکی تھی۔ اس لئے اسلامی دنیا کو [illegible] فریب کاری کا مکارانہ [illegible] بگڑے [illegible] جو بننے کو

خلیفۃ المسلمین کہتا اور تمام اسلامی دنیا کا دینی اور دنیوی حاکم بنا ہوا ہے۔ ہرگز اس قابل نہیں۔ کہ مسلمان اس کے حکم کی متابعت کر سکیں۔

بس حسینؑ کی شہادت کا مقصد یہی تھا کہ مسلمانوں کی آنکھیں کھل جائیں۔ اور وہ اس دھوکے میں نہ رہیں۔ کہ یزید کا دین وہی دین ہے۔ جو حضرت رسول خدا کا دین تھا۔ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا شہید اپنی شہادت کے مقصد میں اس قوت اور سرعت کے ساتھ کامیاب نہیں ہوا۔ جیسا فرزند رسول الثقلین امام حسین علیہ السلام کامیاب ہوئے۔

لکھ دیا خونِ گلو سے لَا اِلٰہ یا حسینؑ

حضرت فضل لکھنوی مدظلہٗ، موقر جریدہ نظارہ کے مدیر محترم سے ہم نے استدعا کی تھی۔ اربعین نمبر کے لئے کوئی خاص چیز عطا فرمائیں۔ موصوف نے ہماری گزارش قبول فرماتے ہوئے تازہ ترین کلام برائے اشاعت ارسال فرمایا ہے جو موصوف کے انتہائی شکریہ کے ساتھ درج ذیل ہے

اے غریبوں کے معین عالم کے شاہا یا حسینؑ
بات کو اول سے آخر تک نباہا یا حسینؑ

ریگِ صحرا بن گئی زخموں کا پھاہا یا حسینؑ
طے کیا یوں۔ دین و دنیا کا دوراہا یا حسینؑ

حق نے تم کو چاہا تم نے حق کو چاہا یا حسینؑ
لکھ دیا خونِ گلو سے لَا اِلٰہ یا حسینؑ

ہاشمی لہجہ میں حکم حق سنایا اے حسینؑ
بارِ امت اپنے کاندھوں پہ اٹھایا اے حسینؑ

جلوہ معبود ہر دل کو دکھایا اے حسینؑ
کعبہ کے پہلو میں اک کعبہ بنایا اے حسینؑ

کربلا میں گھر لٹانے والے شاہا یا حسینؑ
لکھ دیا خونِ گلو سے لَا اِلٰہ یا حسینؑ

پست کر دیں سب زمینیں کربلا کے سامنے
وہ "سخی" جو ہنس رہا تھا ہر جفا کے سامنے

دے دیا گردن کا خون رنگِ وفا کے سامنے
گھر میں جو تھا رکھ دیا لا کر خدا کے سامنے

اپنا وعدہ اس طرح تم نے نباہا یا حسینؑ
لکھ دیا خونِ گلو سے لَا اِلٰہ یا حسینؑ

لے لیا کچھ اور کچھ اے غم کے بانی دے دیا
"شمعِ وحدت" لے لی رنگ آسمانی دیدیا

ضعف دل کا لے لیا۔ حسنِ جوانی دے دیا
خونِ اصغرؑ لے لیا۔ دریا کا پانی دے دیا

اس طرح سے کس نے اپنے حق کو چاہا یا حسینؑ
لکھ دیا خونِ گلو سے لَا اِلٰہ یا حسینؑ

قیدی امامؑ

از سرزمینِ نینوا تا ملکِ شام

(از رشحات قلم سید نواب علی صاحب سفیر سندیلوی)

قیدی وہ شخص کہلاتا ہے۔ جس نے آئین حکومت کے خلاف کسی جرم کا ارتکاب کیا ہو۔ یا جو حکومت کا باغی ہو۔ اور زمانہ حال میں قیدی کی ایک تیسری قسم ہے۔ یعنی سیاسی قیدی جو اپنے ملک کی حریت طلبی میں حکومت کا مجرم قرار دیا جائے۔

امام پیشوائے ملت کو کہتے ہیں۔ قرآن میں امام کا مرتبہ بتلایا گیا ہے۔ کہ جناب ابراہیمؑ خلیل اللہ نے خدا سے امامت کی تمنا ظاہر کی۔ درحالیکہ وہ نبی مرسل تھے۔ پس کسی امام کا قیدی ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ بلکہ دنیا میں ایک بڑا عبرتناک واقعہ ہے۔ مذاہب عالم میں مشکل سے کوئی ایسی مثال ملے گی جو ملت اسلامیہ میں سرزمین کربلا پر ۶۱ھ میں واقع ہوئی۔

خاص اہمیت سب سے زیادہ اس واقعہ میں عبرتناک بات یہ ہے۔ کہ امام کو قید کرنے والی حکومت اسلامی حکومت تھی۔ جس کو خلافت سے منسوب کیا جاتا تھا۔ اور حکمران کو نائب رسول اللہ اور امیر المومنین کہا جاتا تھا۔ جس نے پیشوائے اسلام کی عزت اور حرمت کا کوئی خیال نہیں کیا اور قانون اسلام کے برخلاف عمل کرکے دین اسلام کو دنیا میں رسوا کرنے کی کوشش کی۔ واقعات بھی ایسے پُر عبرت ہیں۔ جن کی جسارت کسی غیر مسلم حکومت کو بھی نہیں ہو سکتی ان واقعات میں خاص انسانیت کو پس پشت ڈال کر حیوانیت سے کام لیا گیا۔

قیدیوں سے برتاؤ ہر مذہب و ملت کی حکومت میں قیدیوں کے لئے کچھ قواعد ہیں۔ جب کہ آجکل ہندوستان میں ایک غیر ملکی عیسائی حکومت ہے۔ جس کا برتاؤ قیدیوں کے ساتھ یہ ہے۔ کہ اگر پھانسی کے جرم کا قیدی بیمار ہو جائے تو اس کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کھول دی جاتی ہیں۔ اور قید شاہی کے بجائے وہ ہسپتال میں رکھا جاتا ہے۔ اس کو پلنگ اور نرم بستر دیا جاتا ہے۔ اس کا علاج ہوتا ہے۔ اور تیمارداری کی جاتی ہے۔ اور اچھی غذا کھلائی جاتی ہے۔ اور کوئی سختی بیمار قیدی پر روا نہیں۔ لیکن جب ہم ۶۱ھ کی اسلامی حکومت یزیدی پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو اس کے مقابلہ میں غیر ملکی اور غیر مسلم حکومت ہزار درجہ بہتر نظر آتی ہے جس میں انسانیت رحم اور خدا ترسی سے کام لیا جاتا ہے۔ اس تقابل سے ثابت ہے کہ ۶۱ھ میں یزید کی اسلامی حکومت بدترین حکومت تھی۔ جس نے درحقیقت دین اسلام کے دامن پر ایک سیاہ دھبہ لگانے کی کوشش کی اور اسلامی لباس میں اسلام کا مٹانا مقصود تھا۔ لیکن قیدی امام عالی مقام نے صبر و تحمل کی روحانی قوت سے دین اسلام کو اس شرمناک دھبہ سے بچا لیا۔ اور جمیع اہل عالم کو حیوانیت اور انسانیت میں فرق بتلا دیا۔ امام عالی مقام نے حالت اسیری میں فرائض امامت اسی طرح انجام دیے۔ کہ آج پورے تیرہ سو سال گزر جانے کے بعد دنیا کی ہر قوم اور ملت کے لوگ پابہ زنجیر قیدی امام کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور

ظالم حکومت سے نفرت کرتے ہیں۔

امام کی اسیری

سنہ ۶۱ھ میں جنگ کربلا ختم ہونے کے بعد امام چہارم علی ابن الحسینؑ کو اس وقت قیدی بنایا گیا جب وہ بستر علالت پر بے آب و غذا اور دوا تپ میں مبتلا بے ہوش پڑے تھے۔ انھوں نے اپنے بزرگوں کے خشک گلے پر شمر کا خنجر چلتے نہیں دیکھا۔ جب جنگ کربلا کا خاتمہ ہوا۔ ایسی حالت میں وہ حکومت کے کسی جرم کے مجرم نہ تھے۔ نہ انھوں نے آئین حکومت کی کوئی خلاف ورزی کی۔ نہ ان سے حکومت کو بغاوت کا اندیشہ تھا۔ نہ امام عالی مقام نے جنگ میں کسی قسم کا حصہ لیا نہ کسی سے مقابلہ کیا۔ نہ کسی پر حملہ آور ہوئے۔ نہ جنگ کی کسی کارروائی میں مخل ہوئے۔ اگر یہ خیال کیا جائے۔ کہ اپنے پدر بزرگوار کی شہادت کے بعد ان کے خون کا انتقام لیتے۔ اس لئے حکومت نے انہیں قیدی بنایا تو یہ خیال بھی غلط ہے۔ قیدی امام کی حالت اس وقت نقل و حرکت کے قابل بھی نہ تھی۔ یہ انتقام کا کھٹکا کیسا۔ اگر یہ تصور کیا جائے۔ کہ حکومت یزید نے انہیں سیاسی حیثیت سے قید کیا۔ تو بھی ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ امام عالی مقام کے پدر بزرگوار کبھی ملکی حکومت اور سیاسی حقوق کے طالب نہیں ہوئے۔ بلکہ برخلاف اس کے یزید کے کمانڈر عمر ابن سعد سے یہ درخواست کی کہ انہیں ممالک اسلامیہ سے جلا وطن کر کے عیسائیوں کے ملک روم یا ہندوؤں کے ملک ہندوستان میں چلے جانے کی اجازت دی جائے۔ جو منظور نہیں ہوئی۔ پھر قیدی امام کے دل میں جزیرۃ العرب کی حکومت یا سیاسی حقوق کی تمنا کیسی۔

عیسائیوں یا ہندوؤں کے ملک میں پناہ کی خواہش

قیدی امام عالی مقام کے پدر بزرگوار حسینؑ ابن علیؑ کی عیسائیوں یا ہندوؤں کے ملک میں پناہ کی خواہش نہایت ہی پر معنی تھی جس سے آج تیرہ سو برس گزرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں پیغمبر اسلام کے فرزند دلبند کے لئے ممالک اسلامیہ میں کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ یہ در حقیقت گزشتہ چند سال قبل جب سے بنی امیہ کا ملک میں اقتدار بڑھا مسلمانوں میں اہلبیت رسول کے دشمنوں کی کثرت ہوگئی۔ اور جب اہلبیت رسول کے مراتب سے بے خبر بنائے گئے۔ شریعت اسلام کی کھلم کھلا خلاف ورزی شروع ہوگئی جس کا ثبوت یہ ہے کہ سنہ ۶۰ھ کے حج میں فرزند رسول کو حج سے محروم ہونا پڑا ظاہر ہے۔ کہ ہر مسلمان خانہ کعبہ کا احترام ضروری سمجھتا ہے بحالت احرام ایک مچھر کا خون بھی گناہ عظیم ہے لیکن حکومت اسلامیہ نے مسلمانوں کا ایک گروہ مکہ معظمہ میں محض اس لئے بھیجا تھا۔ کہ حج کے موقع پر وہ فرزند رسول کا خون بہائے جس سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ذہنیت کس قدر بدل گئی تھی۔ حسینؑ جانتے تھے۔ کہ موجودہ حکومت اسلامیہ میں اب انسانیت بھی باقی نہیں رہی۔ جیسا کہ جنگ کربلا میں ثابت ہوگیا۔ آج ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے۔ کہ دس محرم سنہ ۶۱ھ کو حسینؑ نے جس طرح اپنے تشنہ لب شیر خوار بچہ کو مسلمانوں کے سامنے پیش کر کے اس کا حلق تر کرنے کے لئے ایک چلو پانی کی اپیل کی۔ جس کا جواب پیکان تیر سے ملا۔ یقیناً اگر حسینؑ کسی عیسائی یا ہندو کے سامنے اس بچے کو پیش کرتے۔ تو وہ محض رشتہ انسانیت سے متاثر ہو کر بچہ کی پیاس آب سرد سے بجھا دیتا۔ حسینؑ نے عیسائیوں اور ہندوؤں کا ملک جائے پناہ قرار دے کر فوج یزید کے مسلمانوں کی بے رحمی اور بہیمیت کو ظاہر کر دیا۔ پھر یزید کی اسلامی حکومت نے قیدی امام عالی مقام کے ساتھ جو برتاؤ کیا۔ نہ وہ آئین کی خلاف ورزی تھی۔ نہ بغاوت نہ سیاسی جرم

کے باہم رہنا بھی محض بے رحمی اور بہیمیت تھی۔

منازل اسیری۔ دسویں محرم سنہ ۶۱ھ کو امام عالی مقام کی اسیری کا آغاز اس وقت ہوا۔ جب وہ تپ میں مبتلا ایک خیمہ میں بے ہوش پڑے تھے۔ امام کے اعزا اور انصار کی لاشیں خاک و خون میں غلطاں مقتل میں تھیں۔ عورتیں اور بچے صدمات و مصائب سے نڈھال ہو رہے تھے۔ جلتے ہوئے خیموں کے شعلوں نے امام کو چونکا دیا۔ امام عالی مقام نے سب سے پہلے اہل حرم کو جلتے خیموں سے باہر نکلنے کا حکم دیا۔ پھر دشمنان ستم سے بازو بندھوانے کی اجازت دی۔ اس کے بعد نحیف اور بیمار امام کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں اور گلے میں خاردار طوق پہنایا گیا۔ پھر فوج یزید کے مسلمان درندے اسیران ستم کا یہ قافلہ مقتل میں لائے۔ جہاں ہوئے سر بریدہ لاشیں خاک و خون میں غلطاں بے گور و کفن پڑی تھیں۔ اس بے رحمی کی جرأت کسی کافر کو بھی نہیں ہو سکتی۔ جس کی جسارت فوج یزید نے کی۔ لیکن اسیران ستم نے صبر او رثابت قدمی سے کام لیا۔ زخم پر زخم کھائے۔ لیکن استقلال سے قدم نہ ہٹائے۔ پھر امام عالی مقام کو مع ان کے محترم کنبہ کے کوفہ میں لایا گیا۔ جو امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کا دار الخلافت تھا۔ جہاں حسنین علیہم السلام اور زینبؑ ام کلثومؑ شاہزادیاں کہی جاتی تھیں۔ قیدی امام بھی ملک عرب اور ملک ایران کا شاہزادہ تھا۔ اس اقتدار اور عظمت پر وہ ایک دن یزید کے ولد الحرام چچا زاد بھائی۔ عبید اللہ ابن زیاد کے دربار میں مع اپنے کنبہ کے ایک قیدی کی حیثیت سے بھرے دربار میں پیش کیا گیا۔ جس سے مسلم حکومت کی بے ہمتی بے غیرتی اور بہیمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اسی کے مقابلہ میں قیدی امام نے اس موقع پر یا دوران اسیری، تا ملک شام جس صبر و تحمل سے کام لیا وہ دنیا میں ایک بے مثل صفات انسانی کا نظیر ہے۔ اور ایثار اور جہاد بالنفس کا سبق ہے۔ آجکل بعض کج فہم اور تنگ نظر یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ خواتین کربلا کی اسیری کے تذکرے سے ان کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ جو بالکل غلط ہے یہ اسیری کے تذکرے۔ حقیقی اسلام کی شان اور عظمت کو دنیا میں ثابت کرتے ہیں۔ صبر و ایثار کے مکمل سبق دیتے ہیں۔ ظالم اور مظلوم میں فرق بتاتے ہیں۔ اور دنیا کو بتلاتے ہیں۔ کہ سنہ ۶۱ھ میں جزیرۃ العرب کی حکومت اسلامی حکومت نہ تھی۔ اگر واقعات پر گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا۔ کہ علیؑ ابن الحسینؑ اور زینبؑ و ام کلثومؑ کی شان اسیری نے ہر قدم پر تبلیغ دین اسلام کی۔ اور صبر و تحمل کی قوت سے حقیقی اسلام کو نمایاں کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ دور اسیری تو ختم ہو گیا۔ لیکن دنیا کو یہ معلوم ہو گیا۔ اور اسیری کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے اور قیامت تک معلوم ہوتا رہے گا۔ کہ۔ آہ! وہ بے گناہ قیدی جو ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہر منزل اسیری میں جس کی پنڈلیوں کا گوشت جدا ہو گیا تھا۔ اور ساق پا کی ہڈیاں نکل آئی تھیں۔ اور وہ خواتین جو بے مقنع و چادر دشت بلا سے بے کجاوہ یہ کوفہ سے دمشق تک لائی گئیں۔ حکومت اسلامیہ کے مختلف شہروں میں پھرائی گئیں۔ دربار ابن زیاد اور دربار یزید میں پیش کی گئیں اور ایک مدت تک تنگ اور تاریک قیدخانہ میں مقید رہیں۔ یہ سب پیغمبر اسلامؐ کے خون جگر تھے گوشت اور پوست تھے جس کی محبت قرآن پاک میں سید المرسلین کی رسالت کا اجر قرار دی گئی ہے۔ جن کو حضرت خاتم النبیین نے اپنی آخری وصیت میں قرآن کا ساتھی تا بہ قیامت بتلایا ہے۔ اور

جن کی پیروی مسلمانوں کی نجات کا ذریعہ قرار دی۔ گو مسلمانوں نے دولت دنیا کی خاطر خدا اور رسول کے حکم پر عمل نہیں کیا، اور غیرت رسول کو مٹانے کی کوشش کی، لیکن وہ مٹا نہ سکے۔ آج دنیا ان قیدیوں کے حالات پڑھ کر ان کو حقیر نظروں سے نہیں دیکھتی، بلکہ ایک بادشاہ سے بڑھ کر ان قیدیوں کی عظمت اہل دنیا کی نظروں میں قائم ہوتی ہے۔ ہر شخص پہچان لیتا ہے اور جان لیتا ہے کہ جس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، پیروں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق ہے، وہ امام ہے، پیغمبر اسلام کا نواسہ ہے۔ دین اسلام کا وارث ہے۔ صفات کے لحاظ سے ایک انسان کامل ہے۔ قیدی امام کی عظمت کا ایک بہت بڑا ناقابل [illegible] اور مستقل ثبوت یہ ہے کہ

ہر سال ماہ محرم میں لاکھوں مسلمان اسی قیدی امام کی یادگار میں اپنے خود بچوں اور اپنے بچوں کو سرخ رنگ کی بیڑیاں اور طوق پہناتے ہیں۔ نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی ایسا کرتے ہیں۔

ہندوستان میں ہندو قوم کے مہاراجہ گوالیار دھول پور وغیرہ جو اپنے ملک کے بادشاہ ہیں، اسی قیدی امام کی یادگار میں فخر کے ساتھ بیڑیاں اور طوق پہنتے ہیں۔

یہی بیڑیاں اور طوق جو سنہ ۶۱ھ میں امام چہارم علی ابن الحسین علیہم السلام کو ظالم اسلامی حکومت نے پہنائی تھیں، آج دنیا میں ہر قوم اور ملت کے لوگوں کے لئے ظالم اور مظلوم کے امتیاز کا ذریعہ ہیں۔

سنہ ۱۳۶۱ھ کے پیغامات

(نتیجہ فکر بلند - ابوالقاسم ضمیر زیدی الواسطی۔ دہلوی مؤلف مقتل سادات)

حسینیت اور یزیدیت

پھر قید کو گھر اپنا بنا ڈالیں گے
پھر خون کے قطروں سے نہا ڈالیں گے
دُنیا! نہ حسینیوں سے ٹکر لینا
یہ تیری یزیدیت مٹا ڈالیں گے

اقلیت

دنیا نے خبر نہیں کہ کیا کیا دیکھا
پر واقعۂ کربلا نہ جیسا دیکھا
ہرگز نہ اقلیت کی پروا کرتا
[illegible] میں ۷۲ کا کرشمہ دیکھا

در مدح حضرت خامس آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا

نتیجۂ فکرِ بلند جناب سید محمد باقر صاحب نقوی کامل کجھوی

معاذاللہ دریائے مصائب کی یہ طغیانی
ہے جس کے ایک ایک قطرے کا تیور آج طوفانی

اندھیری شب گرجتی آندھیاں بپھری ہوئی موجیں
جگر مضطر، کنارہ دور، تا حدِ نظر پانی

ہواؤں کے تھپیڑوں میں ہے میری کشتیِ ہستی
یہ عالم اور اس پر یہ وفورِ رنجِ روحانی

تموج میں ہوا ہے اور کوسوں دور ساحل ہے
ستم ہے سر پہ برقِ بلا کی شعلہ افشانی

شکستہ بادبان ہے ناخدا کے دست و بازو شل
تلاطم ہے یہ دریا میں کہ ہوتا ہے جگر پانی

دم ہے اندازِ محشر جس سے لرزاں روحِ انساں ہے
وہ ہے عنوانِ محشر جس سے ہوتا ہے لہو پانی

بھروسہ ہے مجھے لے دیکے اپنی اشک ریزی پہ
مرے آنسو بھی طوفاں ہیں اگر دریا ہے طغیانی

وہ آنسو جن کی طوفاں خیز موجوں کے سہارے سے
نکل آئے سفینہ ورطۂ غم سے بہ آسانی

وہ آنسو جس کے ہر قطرہ کی وسعت چشمۂ کوثر
وہ آنسو جس کے ہر قطرہ میں پنہاں بحرِ طوفانی

وہ آنسو جس میں لہریں مارتا تسکیں کا دریا
وہ آنسو جس میں بدلے کروٹیں موجِ پریشانی

ڈبو دے کائنات رازِ دل جس کا ہر اک قطرہ
وہ آنسو جس کی موجوں میں ہے سمندر کی طغیانی

وہ آنسو جس کے آگے بے حقیقت درِّ ناسفتہ
وہ آنسو جس کے آگے ماندِ انجم کی درخشانی

وہ آنسو ریزشِ ناسور ہے جس کا ہر اک قطرہ
وہ آنسو جو بنا ہے ترجمانِ کربِ روحانی

وہ آنسو جس میں پوشیدہ غم و حسرت کا افسانہ
وہ آنسو جس میں غلطیدہ نقوشِ تمنائے ویرانی

وہ آنسو جو مجسم درد و غم بن کے سرِ مژگاں
زباں سے کہہ رہا ہو ماجرائے سوزِ پنہانی

وہ آنسو جس میں عالم کی دو رنگی کا نمونہ ہے
کہ دل میں آتشِ سوزاں ہے اور مژگاں پہ ہے پانی

وہ آنسو ترجمانِ شکوۂ بیداد بے دردی
نگاہِ بیکسی میں جو ثبوتِ پاکدامانی

وہ آنسو جو کسی مزدورِ فاقہ کش کی آنکھوں سے
تمدن پر گیا کرتا ہے اک تنقیدِ لاثانی

وہ آنسو جس کی طاقت توڑ دے شمشیرِ فولادی
وہ آنسو جس سے ہو جاتا ہے زہرہ سنگ کا پانی

وہ آنسو جس کا ہر قطرہ نمک پاشِ جراحت ہے
وہ آنسو جس کا ہر قطرہ علاجِ سوزِ پنہانی

وہ آنسو جو مصیبت کو بہا دے اپنے دھارے میں
وہ آنسو جو بنا دے شامِ غم کو صبحِ عرفانی

وہ آنسو جو شہیدِ کربلا کے خونچکاں غم میں
برستا ہے مری آنکھوں سے مثلِ ابرِ نیسانی

شہید کربلا جس پر شہادت ناز کرتی ہے — جبینِ بندگی جس کی عبادت سے ہے نورانی
شہید کربلا فخرِ رسولانِ سلف تجھے — رہِ حق میں جوان بیٹے کی جس نے کی ہے قربانی
شہید کربلا تعبیرِ رویائے خلیل اللہ — فدیناہ بذبح سے جو تھا مقصودِ ربانی
شہید کربلا ہے انتہائے بے کسی جس پر — شہیدِ کربلا روتی ہے جس پر خانۂ ویرانی
شہید کربلا جو کشتۂ تیغ شدائد تھا — ہوئی شمشیر اربابِ ستم سے جس کی قربانی
شہید کربلا خود جس پہ گریاں اس کی مظلومی — شہیدِ کربلا جس نے نہ پایا تین دن پانی
وہی مظلوم جس کی لاش پامالِ سمِ اسپاں — شہیدِ کربلا جس کا کفن خاکِ بیابانی
شہید کربلا شاہ شہیداں نورِ یزدانی — ترے نورِ جبیں سے ہے منور بزمِ امکانی
ملائک تیری خدمت میں تجھے مصروف گلہ بانی — کیا کرتے تھے جبرئیل امین گہوارہ جنبانی
تیرے بابِ کرم کا ہے گدا گر حاتم طائی — تری دریادلی پر ہے پشیماں ابرِ نیسانی
تری گردِ کفِ پا مشعل راہِ ہدایت ہے — ترا نقش کفِ پا ہے چراغِ راہِ عرفانی
تری حسنات کا ہے معترف خود خالقِ عالم — تری توصیف سے مملو ہیں کل آیاتِ قرآنی
تیرے صبر و رضا سے حضرتِ ایوب شرمندہ — تری حق بین نگاہوں سے خجل موسیٰ عمرانی
تجھی سے دین و ایماں منبر و محراب کی رونق — تری ہی ذاتِ واحد ہے فروغ بزمِ ایمانی
شرف اندوز تیری آستاں بوسی سے تارے ہیں — تری چوکھٹ پہ سجدہ ریز مہر و مہ کی پیشانی
ترا نقشِ قدم سجدہ گہہ جن و ملائک ہے — تری خاکِ قدم ہے سرمۂ چشمِ سلیمانی
تکلم میں ترے پنہاں ہے اعجازِ مسیحائی — تبسم سے ترے دنیا ہوئی جاتی ہے نورانی

قطعہ

گھٹا ظلمت کی جب اسلام کے گردوں پہ چھائی تھی — ہوئی جاتی تھی جبکہ کفر و عصیاں کی فراوانی
ملی جاتی تھی جبکہ خاک میں تعلیم اسلامی — دلِ مسلم سے مٹتا جا رہا تھا نقشِ قرآنی
گلستانِ محمدؐ پہ خزاں کا دور دورہ تھا — رسول اللہ کی کھیتی پہ خیمہ زن تھی ویرانی
بچایا کشتیٔ اسلام تو نے غرقِ خوں ہو کر — ہوا کے تند جھونکوں میں جلادی شمعِ ایمانی

تری سعیِ عمل کا ہے تصدق ورنہ اے مولا
کبھی باقی نہ رہتی دہر میں روحِ مسلمانی

پیکرِ اطمینان

اے زینب سلام اللہ علیہا

از قلم جناب سید اختر حسین صاحب شائق انبالوی

ہلال غم نمودار ہو چکا۔ فاطمہؑ کے لاڈلے فرزند کی صف ماتم بچھ گئی۔ مختلف عنوانات سے بہتر حق پرستوں کی حیرت آموز داستان شہادت دہرائی جانے لگی۔ اور دنیا کو یہ بتایا جانے لگا۔ کہ جو حق و صداقت کی حمایت میں جان قربان کرتے ہیں۔ وہ ایسی حیات جاودانی حاصل کرتے ہیں۔ کہ تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی صحن عالم میں لینے والے ان کے مرنے کے تذکرہ سے زندگی اور جوش عمل پیدا کر سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ واقعہ کربلا کے بعد بھی ہلال محرم ایک ہزار دو سو ننانوے مرتبہ نیلی چھت پر نمودار ہو کر مسافران کربلا کی حیثیت انگیز حریت پرور اور صداقت نواز داستان شہادت نوع انسانی کو یاد دلا کر خراج تحسین ادا کرنے پر مجبور کرتا رہا ہے۔ لیکن اس مرتبہ ہلال محرم ایسے زمانہ میں نمودار ہوا ہے۔ جبکہ جنگ کے دہکتے ہوئے شعلے خرمن عالم کو خاکستر کر دینے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ ہر طرف خوف و ہراس۔ مایوسی اور بے چینی کا دور دورہ ہے اور بزم عالم میں ایک متنفس بھی ایسا نظر نہیں آتا۔ کہ جو اطمینان قلب کے ساتھ منازل زندگی طے کر رہا ہو۔ اس لئے میں چاہتا ہوں۔ کہ اس دور بے چینی میں مسافران کربلا میں سے ایک فرد جو صنف نازک سے تعلق رکھتی ہے، کے اطمینان قلب کے چند نمونے پیش کر کے اقوام عالم کے افراد کو دعوت توجہ دوں۔ تاکہ وہ جو بے چینی کسی حد تک دور ہو سکے۔ اور مایوس بنی نوع انسان کے لئے شمع ہدایت کا کام دے سکے۔ کربلا کے خونریز واقعات کچھ ایسے دردناک ہیں، کہ جب کسی ایسے شخص کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ کہ جس کے پہلو میں دل اور دل میں احساس موجود ہے۔ تو وہ انہیں سنکر دامن صبر و قرار ہاتھ سے چھوڑ کر بے چین ہو جاتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ نماز صبح سے لیکر ہنگام عصر تک کربلا کے بے آب و گیاہ جنگل میں وہ خونین ڈرامہ کھیلا گیا ہے۔ کہ جس کی نظیر تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔ چند گھنٹوں میں مادیت کے مقابلہ میں علمبرداران روحانیت نے وہ جوہر نمایاں دکھائے تھے وہ مصائب و آلام برداشت کئے ہیں۔ کہ جن کے تصور سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ علی اکبرؑ ایسے اٹھارہ سال کے نوجوان فرزند کی شہادت عباسؑ وفادار کے شانوں کا قلم ہونا اصحاب و انصار کا داغ مفارقت دے جانا ننھے کرشمہ بچے کا ننھا سا گلا کٹا کر شہید ہو جانا۔ ایسے واقعات نہیں کہ کوئی بہن اپنی آنکھوں سے دیکھے اور خاموش رہے۔ ایسے بھائی کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو جانا کہ جس کی محبت میں سرشار ہو کر اپنی دولت اور اولاد تک کی پرواہ نہ کرنا ایسے مناظر ہیں کہ طبیعت بے چین اور دل غیر مطمئن ہو جائے۔ دامن صبر و قرار ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ ہوش و حواس رخصت ہو جائیں لیکن تاریخ کربلا سے پتہ چلتا ہے۔ کہ جب جنگ کا دیو انسانی زندگیوں کا خاتمہ کر رہا تھا۔ جب موت کا آہنی پنجہ نوجوانوں کی دولت شباب لوٹ رہا تھا۔ جب موت کا اژدھا منہ

کھڑے ہوئے بوڑھوں، بچوں اور نوجوانوں کو نگل رہا تھا۔ اس وقت پیکر اطمینان جناب زینب سلام اللہ علیہا اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو کمال اطمینان قلب کے ساتھ آغوش اجل سے ہمکنار ہونے کی ترغیب دے رہی ہیں۔ نہ بچوں کے مرنے کے تصور سے طبیعت بے چین تھی اور نہ قطع امید کے نقش بر آب ہو جانے کے خیال سے دل میں ہراس تھا۔ نہ نخل تمنا کے قلم ہو جانے کے بجائے انہیں حسرت گھبراہٹ تھی بلکہ بچوں سے فرما رہی تھیں۔ کہ تم نے اب تک نصرت اسلام میں ماموں جان کے قدموں پہ جان نثار نہیں کی۔ اور اب اگر ایک لمحہ بھی توقف کیا۔ تو دودھ نہ بخشوں گی۔ کیا میں نے تمہیں اسی لئے پرورش کیا تھا۔ کہ جب میرے دین حق کی نصرت کا وقت آئے۔ تو تم اپنی جان بچا کر بیٹھے رہو۔

دونوں شہزادے ننھے ننھے ہاتھ جوڑ کر عرض کرتے ہیں۔ اماں جان! ہم تو صبح سے اسی جدوجہد میں مشغول ہیں کہ اذن جنگ مل جائے۔ لیکن ماموں جان اجازت مرحمت نہیں فرماتے۔

یہ سنکر زینبؑ نے دونوں بچوں کو آراستہ و پیراستہ کیا۔ حسینؑ نے بمشکل اجازت دی۔ زینبؑ کی کمائی لٹنے کے لئے میدان کارزار میں پہنچی۔ زینبؑ صبح سے مشاہدہ فرما رہی ہیں۔ کہ جو میدان جنگ میں جاتا ہے۔ وہ واپس نہیں آتا بلکہ اس کا لاشہ آتا ہے۔ اس وقت فطرت انسانی اس امر کی مقتضی نظر آتی ہے۔ کہ ماں بے قرار ہو جاتی۔ ہوش و حواس جواب دے دیتے۔ لیکن زینبؑ نہایت صبر و ضبط کے ساتھ خیمہ میں بیٹھیں بچوں کی کارزار دیکھ رہی ہیں۔ کتنا کمال [illegible] نے ندا دی۔ بی بی کے بچے زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ چند لمحے گزرے تھے۔ کہ نونہالان زینبؑ کے لاشے خیام کی طرف آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ تمام اہل حرم آہ و بکا کرنے لگے۔ خیام حسینی میں ایک کہرام بپا ہو گیا۔ لیکن زینبؑ ایک کوہ استقلال کی طرح کھڑی ہیں اور فرماتی ہیں۔

باہر والوں کی صدا زیر قنات آتی ہے
کیسے لاشے مرے بچوں کی برات آتی ہے

کیا اوراق تاریخ میں ایسی مثال مل سکتی ہے۔ کہ تمام عمر کی کمائی موت کے ہاتھوں لٹ چکی ہو۔ اور مقام صبر میں ذرہ بھر بھی فرق واقع نہ ہوئی ہو۔ یہ زینبؑ اور ان کے [illegible] کا ہی کا دل گردہ تھا۔ کہ ان جانگداز واقعات کا نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کر رہی ہیں۔ دنیا کا یہ طریقہ ہے۔ کہ انسان مختلف امتحانات سے گزرتا ہے۔ پہلے ابتدائی مدارج طے کرتا ہے اور پھر بالائی۔ اسی طرح سے میدان کربلا میں زینبؑ ایک امتحان میں کامیاب ہو چکیں اور دوسرا کٹھن امتحان شروع ہوا۔ وہ اٹھارہ سال کا نوجوان فرزند جو ہم شبیہ مصطفےٰ تھا۔ مرنے کے لئے جاتا ہے۔ سینے پہ نیزہ کھا کر دم توڑ دیتا ہے۔ اب جبل صبر تار تار ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن نہیں اس کٹھن مرحلہ کو بھی نہایت ثابت قدمی کے ساتھ برداشت کیا۔ یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت آ جاتا ہے۔ حسینؑ مظلوم کے خزانے میں اب ایک گوہر بھی باقی نہیں رہا۔ حد تو یہ ہے۔ کہ ایک ہیرے کی کنی تھی وہ بھی لوٹی جا چکی تھی۔ آخر حسینؑ بہ نفس نفیس عزم جہاد کرتے ہیں۔ زینبؑ پر اظہار مدعا فرمایا۔ وہ بہن کہ جس نے اس بھائی کی خیر منتے منتے دولت اولاد قربان کی۔ وہ بہن جس نے بھائی پہ سے بلا ٹالنے کے لئے اس اٹھارہ سالہ کڑیل جوان کی مفارقت گوارا کی۔ کہ جس کو اولاد سے زیادہ محنت کر کے پرورش کیا تھا۔ آج وہ نازک مرحلہ آ گیا۔ فاطمہؑ کی امانت میں خیانت ہونے لگی۔ زینبؑ کو سیدہ کونین کی آخری وصیت یاد آ گئی ہوگی۔ کہ زینبؑ دیکھنا

جائے یہ ہو صبر ساتھ کبھی بانوئے زینبؑ

زینبؑ حیران و ششدر ہیں۔ اگر رخصت کرتی ہیں،
تو فاطمہؑ کی کمائی لٹتی ہے۔ اگر روکتی ہیں۔ تو رسولؐ عربی
کی ۲۳ سالہ محنتوں پر پانی پھرتا ہے۔ اسلام مٹتا ہے
ایک طرف محبت الٰہی ہے محبت اسلام ہے اور دوسری
طرف بھائی کی محبت ہے۔ زینبؑ عجیب کشمکش میں مبتلا ہے
اگر کوئی اور بی بی ہوتی۔ تو اس کشمکش میں ہی جان دے دیتی
لیکن وہ بی بی کہ جو تمام عالم کے لئے نمونہ صبر اور پیکر
اطمینان بن کر آئی تھی۔ بھائی کو آخری مرتبہ رخصت کرتی
ہے۔ سینے پر صبر کی سل رکھکر حسرت بھری نگاہوں سے
بار بار دیکھتی ہیں۔ زینبؑ نے ماں جائے حسینؑ کو کس طرح
رخصت کیا ہوگا۔ یہ میں آپ کی قوت متخیلہ پر چھوڑتا ہوں
البتہ اس قدر ضرور ضبط تحریر میں لانے کی جرأت کرتا ہوں
ایک شاعر نے حسینؑ کی آخری رخصت کا منظر اس شعر
میں بیان کیا ہے ؎

شبیرؑ برآمد ہوئے یوں خیمے کے در سے
جس طرح نکلتا ہے جنازہ کسی گھر سے

حسینؑ نے قوت حیدری کا مظاہرہ کیا۔ جو آپ کو
ورثہ میں ملی تھی۔ زخمی ہو کر زمین پر گرے۔ "قتل حسینؑ بکربلا"
کی روح فرسا صدا بلند ہوئی۔ انسانی ذہن یہ کہتا ہے۔ کہ
اس وقت زینبؑ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ہوگی
لیکن نہیں ابھی زینبؑ نے حسینی شہادت کو بہت کچھ
پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا۔ چنانچہ زینبؑ نے یہ منظر بھی
اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اگر کوئی اور بی بی ہوتی۔ تو بے حواس
ہو جاتی۔ لیکن ہماری جانیں قربان ہوں جناب زینبؑ پر۔
کہ دل کو مضبوط کیا ہے بے وارث و والی مستورات اور
یتیمانِ اہلبیتؑ کو یکجا کر کے فریضہ حفاظت ادا کیا۔ دنیا کا
یہ دستور ہے۔ کہ جب لڑنے والے دو گروہوں میں سے ایک
گروہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ تو لڑائی ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن
کربلا میں انوکھا طرز عمل اختیار کیا گیا۔ حسینؑ کا لشکر ختم ہو چکا
تھا کہ چھ ماہ کا بچہ بھی باقی نہیں رہا۔ لیکن یزیدی فوج کی
عداوت ختم نہیں ہوئی۔ ان کی آتش دل ٹھنڈی نہیں
ہوئی۔ حکم دیا جاتا ہے۔ کہ اہل حرم کے سروں سے چادریں لوٹ
کر خیام حسینی میں آگ لگا دی جائے۔ وہاں کیا دیر تھی
آناً فاناً سر بفلک شعلے خیام حسینی کو جلا کر خاکستر کرنے
لگے۔ وہ بی بی جس کے سینے پر ۷۲ داغ تھے۔ جسے موت
نے ایسا لوٹا تھا۔ کہ ایک بچہ بھی باقی نہیں رہا۔ آغوش عصمت
کی پروردہ خاتون سر چھپانے سے معذور و مجبور ہو گئی۔
وہ اس قدر روح فرسا مصائب و شدائد میں مبتلا ہوتے
ہوئے کس اطمینان قلب اور صبر و ضبط کا مظاہرہ کرتی ہے
کہ عقل انسانی بحر استعجاب میں غرق ہو کر رہ جاتی ہے خیام
میں آگ لگی ہوئی ہے بچے اور عورتیں سراسیمگی کے عالم
میں ایک خیمہ کے جلنے کے بعد دوسرے میں چلی جاتی ہیں۔ اس
عالم بے کسی و بے چارگی میں جبکہ کسی کو اپنے سر و پا کا ہوش
نہ ہونا چاہیئے تھا۔ جناب زینبؑ نہایت مستعدی۔ صبر اور
استقلال کے ساتھ بچوں کی نگہبانی کر رہی ہیں۔ تمام بچوں
کو آگ کے شعلوں میں سے نکال کر محفوظ جگہ پر پہنچاتی ہیں
یہاں تک کہ صرف ایک خیمہ باقی رہ گیا۔ جس میں حسینؑ کا بیمار
فرزند سید سجادؑ عالم بے ہوشی میں پڑا ہے زینبؑ نے
شانہ ہلا کر کہا۔ اے سید سجادؑ تم امام وقت ہو۔ تمام خیام جل کر
خاک سیاہ ہو چکے ہیں۔ ہمارے سروں پر چادریں تک موجود
نہیں۔ فرمائیے۔ بے پردہ باہر نکل آئیں یا جل کر مر جائیں؟
اللہ اللہ! کیا اطمینان قلب تھا۔ کہ اس عالم کس مپرسی
میں اسلام کے زریں اصول "پردہ" کا کس قدر خیال ہے۔ کہ

جل کر خاک ہونے کے لئے تیار، لیکن اصول اسلام میں فرق نہ آنے پائے۔

زینبؑ اس امتحان میں بھی کامل اتریں۔ وہ شب آئی کہ جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے۔ ابتدائے آفرینش سے لیکر آج تک نہ کوئی ایسی شب آئی اور نہ قیامت تک آنے کی توقع ہے۔ یہ شب وہ ہے جسے شب غریبان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اہلبیتؑ کی یہ شب غم کس طرح گزری۔ زینبؑ نے حسینؑ کے پسماندگان کو کس اطمینان کے ساتھ بہلایا۔ میں اسے سپرد قلم کرنا نہیں چاہتا۔ میرا دل لرزتا ہے۔ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ بس یہ آپ کی قوت تخیل پر چھوڑتا ہوں۔ رات گزری۔ اسیران آل محمدؐ کو شتران بے کجاوہ بے مقنع و چادر سوار کرکے تشہیر کیا جانے لگا۔ یہاں تک کہ یہ لٹا ہوا کاروان بازار کوفہ میں پہنچا۔ تماشائیوں کے ٹھٹھ لگے ہوئے ہیں۔ ہر طرف چہل پہل نظر آرہی ہے۔ ہر شخص سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آج عید ہے۔ لوگ خوشیاں منا رہے ہیں۔ کہ خلیفہ وقت کو فتح نصیب ہوئی کہ یکایک ایک ہجوم نظر پڑا کچھ پریشان حال مستورات بے کجاوہ اونٹوں پر بیٹھی ہوئی ہیں۔ بہت سے سر نیزوں پر کٹے ہوئے نصب ہیں۔ کہ یک اونٹ پر سے ایک بی بی کی صدا بلند ہوئی۔ تمام مجمع پر عالم سناٹا طاری ہو گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ ایک پریشان حال بی بی ہے۔ جس نے اپنے چہرے کو بالوں سے چھپا رکھا ہے۔ لیکن نہایت اطمینان قلب اور انتہائی جرأت کے ساتھ ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرماتی ہیں۔ جس میں باری تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ اے کوفہ والو! ہم اہلبیت محمدؐ ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ نہیں گزرا کہ میرے پدر عالیمقدار اس کوفہ کے بادشاہ تھے اور ہم شہزادیاں کہلاتی تھیں۔ آج میرے بھائی حسینؑ کو تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کر دیا گیا۔ اور جن کا سر کٹ کر بازاروں میں تشہیر کیا جا رہا ہے۔ مسلمانو! تم ہمارے نانا کا کلمہ پڑھتے ہو۔ ہمارے ہی بارے میں آیۂ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ نازل ہوئی تھی۔

جب لوگوں نے زینبؑ کی یہ دل ہلا دینے والی اور صداقت آموز تقریر سنی۔ تو اپنے سروں پر طمانچے مارنے لگے۔ یزید پر لعنت بھیجنے لگے۔ یہ زینبؑ کے نفس مطمئنہ ہی کا کارنامہ تھا کہ خون سید الشہداءؑ کی منادی کرکے یزیدی حکومت کے خلاف اتنی بغاوت پیدا کر دی۔ اور غیرت تک ثبات بخش دی جس سے تبلیغ حق ہوئی۔

آج دنیا میں بسنے والی قومیں آئیں اور آکر اس پیکر اطمینان، مجسمۂ استقلال، کوہ صبر اور تصویر ضبط کی مقدس سیرت کو پیش نظر رکھکر درس عمل حاصل کریں۔

اے زینبؑ میں صبر و قرار کا نمونہ پیدا کرنے والے معبودا! ہمیں توفیق دے کہ ہماری مستورات بھی سنت زینبیہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے بڑی سے بڑی مصیبت میں اسلام کی بقا و استحکام کے لئے حق و صداقت کے علم کو بلند کرنے کے لئے اطمینان قلب کے ساتھ قربانی پیش کرنے کی سپرٹ پیدا کریں۔ جن کی آل و اولاد و مال و متاع اسلام اور محسن اسلام حسینؑ مظلوم اور حضرت زینبؑ کے مقدس مشن کے لئے وقف ہوں۔ اور زینبؑ کے بتائے ہوئے راستے سے یکایک ان کے قدم پیچھے نہ ہٹیں۔ تا ان کی آغوش میں پرورش پاکر پروان چڑھنے والے نوجوانوں کے ذہن اور دماغوں میں مذہب کی طرف سے انتشار اور تشکیک پیدا نہ ہو۔ بلکہ وہ اطمینان قلب کے ساتھ اسلام کے راستے میں پیش آنے والی مصیبت کا مقابلہ خندہ پیشانی کے ساتھ کر سکیں۔

اعلانِ اتحاد

(مخمس بر نظم شاعرِ اہلبیتؑ عالی جناب حضرت مولانا نجم آفندی مدظلہ)
(از مداحِ اہلبیتؑ حضرت مضطر حیدری چھپنوی)

کیوں اس غریب قوم کا نقصان کیجئے — دنیا پہ یوں نہ دیں کو قربان کیجئے
کچھ اپنے حالِ زار پہ احسان کیجئے — ملت میں تفرقہ کا نہ سامان کیجئے
قرآن کے ورق نہ پریشان کیجئے

محبوبِ کردگار کا حیدرؑ کا واسطہ — شبیرؑ اور حضرتِ شبّرؑ کا واسطہ
اصغرؑ کا واسطہ، علی اکبرؑ کا واسطہ — لوٹے ہوئے ریاضِ پیمبرؐ کا واسطہ
اسلام کے چمن کو ویران نہ کیجئے

کیجئے بلند ملتِ بیضا کی شان کو — پیغام امن دیجئے ہندوستان کو
لے کر علم کے سائے میں سارے جہان کو — مرکز بنا کے آج حسینی نشان کو
دنیا میں اتحاد کا اعلان کیجئے!

کوشش یہ سازگار کرے کارسازِ دل — تقریبِ معرفت کی ہو کھل جائے رازِ دل
پہلو میں دل کے ساتھ رہے امتیازِ دل — کچھ دردِ حسینؑ سے لے کر گدازِ دل
للّٰلہ اپنے دل کو مسلمان کیجئے

اٹھیے شہیدِ قوم کی غیرت کے نام پر — انصارِ باوفا کی صداقت کے نام پر
ایثار کیجئے یہ شریعت کے نام پر — سرکارِ دو جہاں کی محبت کے نام پر
آپس کے اختلاف کو قربان کیجئے

دم بھر بھی شاد یہ دلِ مضطر رہا نہیں — دمساز رنج و غم کے سوا دوسرا نہیں
وہ درد ہے جگر میں کہ جس کی دوا نہیں — اب اس فضا میں رہنے کو دل چاہتا نہیں
اے نجم ترکِ ہند کا سامان کیجئے

سیرت سیاسیٔ حسینی!

از رشحات قلم جناب سید ریاست حسین صاحب جعفری سیتاپور

یادگار حسینی کے سیزدہ صد سالہ موقع پر اس شہید راہ خدا کے حالات پر مختلف طریقوں سے روشنی ڈالی جائے گی۔ مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت آئمہ معصومین علیہم السلام کو سیاست سے بے خبر سمجھتی اور یقین کرتی ہے۔ لیکن گر نبیند بروز شپرہ چشم۔ چشمۂ آفتاب راچہ گناہ۔ صفحات تاریخ شاہد ہیں۔ کہ ان کے خود ساختہ ہادیوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر خود پیغمبر اسلام کی جانب سے طرح طرح کی بدگمانیاں اپنے دلوں میں پیدا کیں۔ اور اس کا اظہار بھی کیا۔ پھر بعد میں آنے والے متبعین اپنے ہادیوں کی متابعت میں اب چہ میگوئیاں کریں کیا تعجب ؟ متبعین و مقلدین حقیقی معنوں میں اتباع و تقلید کو اپنے طرز عمل ہی سے ظاہر کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ ہادیوں یا مصلحین کا عکس متبعین میں نظر آنا یقیناً مستحسن ہے کاش کہ امام حسین علیہ السلام کے ماننے والوں میں بھی کما حقہٗ حسینی جذبات کا عشر عشیر ہی پیدا ہو جائے۔ کہ وہ کونین میں سرخرو اور ممتاز ہیں۔

جب رسول مقبول کے مصاحبین کو عین حیات ہی میں طرح طرح کے شکوک اور سرتابیوں کی جراتیں ہو چکی تھیں۔ لہذا بعد میں متبعین اصحاب کی روگردانی جگر گوشگان رسول سے کیونکر خلاف کہی جا سکتی ہیں۔ چونکہ اس موقعہ پر محض جناب سید الشہدا کی سیاست پر روشنی ڈالنی ہے لہذا درمیانی واقعات نظر انداز کئے بغیر چارہ نہیں۔

یادگار رسول الثقلین جناب امام حسین علیہ السلام کی شباہت رسول مقبول کے نے جناب معصومہؑ کا بوسہ لیتے وقت فرمانا "انت شبیہ بابی۔ لست شبیہ بعلی" صوری حیثیت سے کس قدر معنی خیز ہے۔ پھر اگر معنوی حیثیت سے امام حسین علیہ السلام اپنے کو شبیہ رسول مقبول ثابت کر دیں کیا تعجب کا مقام ہے۔ جس طرح جناب ختمی مرتبت کا حدیبیہ میں صلح کرنا مسلمانوں کے خود ساختہ ہادیوں کو پسند نہ آیا۔ اگر وہ جناب امام حسین علیہ السلام کے طرز عمل پر زبان کھولیں۔ مطلق قابل اعتنا نہیں۔ ہم لوگوں کا تو یہ اعتقاد ہے۔ کہ ہمارے معصومین کا طرز عمل جب دیکھئے بھی جیسا موقع و محل تھا اسی کے مطابق رہا۔ جب امام کونین حضرت امام حسین علیہ السلام نے ملاحظہ فرمایا۔ کہ اب اسلام کی صورت بنی اشرار کے ہاتھوں مسخ ہونے والی ہے اور جدامجد کی تمام کوششیں اور زحمتیں جو تبلیغ دین مبین میں صرف ہوئی تھیں۔ رائیگاں ہو رہی ہیں لہٰذا اپنے اعزا اور جان نثاروں کے خون سے شجر اسلام کو کچھ اس طرح سینچا کہ بس ابد الاباد تک کے لئے اس کو قائم کر دیا۔ اور تیرہ سو برس کے عرصہ میں دنیا کے چپے چپے میں پرچم اسلام لہرانے لگا۔ جب آپ نے عزم سفر فرمایا ہے۔ اکثر احباب و اعزہ نے جو منشاء امام سے تھے۔ آپ کو مختلف عنوانوں سے سمجھانے کی بلیغ کوشش کی۔ لیکن آپ نے سب کے جواب میں فرمایا کہ جو کچھ میرے پیش نظر ہے۔ تم کو معلوم نہیں۔ مصلحت اسی میں ہے۔ کہ میرے ال[illegible]

عیال اور اعزا و انصار میرے ساتھ ہیں۔ یہ تھا وہ نکتہ جہاں تک کوتہ بیں نگاہیں نہ اس وقت پہنچیں اور نہ پہنچ سکتی تھیں۔ الفاظ گو تھے مختصر لیکن معانی کا سمندر ان میں پنہاں تھا۔ نتیجہ آپ کے پیش نظر تھا۔ مدینہ سے ہمراہیوں کی تعداد ہزاروں تک آ گئی جاتی ہے۔ سب ہم خیال نہ تھے۔ نہ معلوم کیا کیا تظریے ساتھ تھے۔ اگر ہم خیال ہوتے۔ ہرگز چشم و چراغ رسولؐ سے جدائی اس وقت تک اختیار نہ کرتے۔ جب تک رشتہ حیات خود قطع نہ ہو جاتا۔ اثنائے سفر میں متعدد بار آپ نے آنے والے واقعات کا ذکر فرمایا۔ ہر ہر منزل پر جدا ہونے والے برابر الگ ہوتے گئے۔ ایک معمولی عقل کا انسان بھی اگر مقابلہ کے لئے جاتا ہے۔ تو جماعت کو برابر بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن یہاں تو حق کے فدائیوں اور محض حق کے جاں نثاروں کی ضرورت تھی۔ اعتراض کرنے والے بھی جرأت نہ کر سکے کہ کبھی کہتے کہ امام حسین علیہ السلام نے کسی مقام پر یا کسی موقع پر جماعت کے بڑھانے کی کوشش کی۔ حسینؑ مظلوم کا طرز عمل پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ہم کو صرف حق کے ساتھ دینے والوں کی ضرورت ہے۔ اس میں کوئی تخصیص نہیں۔ مرد ہوں یا مخدرات عصمت۔ بچے ہوں یا ستر اسی سال کے بڈھے۔ جن کی ظاہری قوتیں جواب دے چکیں۔ لیکن قوت ایمانی سے دل بہ بڑ ہیں۔ جھکی ہوئی کمروں کو چست باندھ کر دوسروں کی مدد سے گھوڑے پر سوار کیا گیا ہے۔ مشکل کشائے انس و جاں کے لخت جگر کے دشمنوں کے مقابلہ میں محض قوت ایمانی کے بل بوتے پر اذن جہاد لے کر میدان کارزار میں نبرد آزما ہوتے ہیں اور ایوان روم و شام میں تھلکہ پڑ جاتا ہے۔ بھگوڑوں کے مقتدی سروں پر پاؤں رکھ کر بھاگتے ہیں۔ اور کتنے وہیں لقمہ اجل ہوتے ہیں شب عاشور کو اعزہ و انصار کو جمع فرما کر پیش آنے والے واقعات سے آگاہ فرمانے کے ساتھ پردہ شب میں نکل جانے کا مشورہ دینا اور بیعت کا اٹھا لینا اور وہ بھی روشنی گل کر دینے کے بعد۔ وہ واقعہ ہے۔ جو صفحات تاریخ میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ جو کچھ تاریخوں سے پتہ چلتا ہے۔ وہ کسی عزیز یا محب کی گردش قلم کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ لوگ جو جان بوجھ کر یزید پلید کے ساتھ ہیں حقیقی تاریخ لکھنے والا تو بستر علالت پر خیمہ کے اندر ہے یا وہ مخدرات ہیں۔ جنہیں باہر کے حالات سے کما حقہ آگاہی نہیں ہے۔ ہاں جب بعد شہادت امام کونین وہ بے پردہ کی گئی ہیں۔ تو واقعات بھی خواہ کوئی چھپانے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے۔ پردہ سے باہر آ ہی گئے۔ اور وہ انقلاب عظیم پیدا ہوا۔ کہ شاہان وقت کی کوششیں بے سود ہو گئیں۔ ملاعین جن مخدرات عصمت کو بخیال خام ذلیل و خوار کر رہے تھے اسی نے انقلاب اور ایسا انقلاب پیدا کر دیا۔ کہ انتقامی جذبہ پیدا ہو اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ظالموں کی جو گتیں بنائی گئیں۔ تاریخ کے صفحات پر اس وقت بھی داستان عبرت بنی ہوئی ہیں۔ ہزار کوششیں کی گئیں۔ کہ قیدیوں کے حسب نسب نہ ظاہر ہوں۔ لیکن حسینی مشن کے مقدس ممبروں نے اپنی مظلومیت کو زبان حالی سے اس طرح پیش کیا کہ سنگدل سنگدل گداختہ ہو گئے۔ اور جذبات نے انتقامی صورت اختیار کر لی۔

اب سیاست حسینیؑ قابل غور ہے۔ اگر برابر کی جماعت لیکر مقابلہ کرتے کہنے والے واقعی کہتے۔ جو اس وقت بھی یہ نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ کہ دو شہزادوں کی جنگ تھی۔ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ حق و باطل کی جنگ۔ ایمان و کفر کی لڑائی۔ بلکہ انسانیت و حیوانیت کی تکرار تھی۔ امام مظلومؑ کا بار بار اتمام حجت فرمانا محض اس لئے تھا۔ کہ جو نہ پہچانتے ہوں پہچان لیں

نذرِ شبیرؑ

محمد کبیر انور جعفری احمد پوری

دل میں چھپی ہے ساقیٔ کوثر کی آرزو
اورنگ کی ہوس ہے نہ افسر کی آرزو

خاکِ درِ حسینؑ پہ ہم لیں گے کروٹیں
تکیہ کی آرزو ہے نہ بستر کی آرزو

جنت کا اشتیاق نہ کوثر کی ہے ہوس
ہم کو طوافِ تربتِ حیدرؑ کی آرزو

پھر کیوں نہ اُس پہ رحمتِ یزداں نثار ہو
دل میں ہے جس کے فاتحِ خیبرؑ کی آرزو

منڈلا کے سر پہ شاہ کے کہتی ہے یہ اجل
مجھ کو ہے بس جوانیٔ اکبرؑ کی آرزو

انورؔ نہ پوچھو کس لئے آنکھیں ہیں خونچکاں
دل میں تڑپ رہی ہے بہتّر کی آرزو

سلام

ایم ضیاء جعفری الحیدری نڈتک میانوالی

ماجرا کیوں نہ رقم ہو حضرت شبیرؑ کا
داستانِ درد ہے یارا نہیں تقریر کا

الفتِ شبیرؑ جس کے ساغرِ دل میں نہیں
وہ نہیں حقدار ہرگز خلد کی جاگیر کا

گردنِ سبطِ نبیؐ پر شمر کا خنجر چلا
اس کو کہتے ہیں نوشتہ کاتبِ تقدیر کا

انتہائے بربریت ہے کہ پانی کے عوض
بن گیا اصغرؑ نشانہ حرملہ کے تیر کا

تیر برسائے لعینوں نے سوالِ آب پر
چھد گیا حلقوم نازک اصغرِ بے شیر کا

دیکھ کر رن میں علی اکبرؑ کو بولے اہلِ کیں
عین مظہر ہے رسولِ پاکؐ کی تصویر کا

سختیٔ محشر کا ہو کیوں خوف اس کو ضیاؔ
جو ہوا دل سے ثنا خواں حضرت شبیرؑ کا

صرف اہل دنیا کے قلوب پر نقش کی لکیر کی طرح ہمیشہ کے لیے مرتسم کر دیا۔

کربلا کے اس محسن نے مسلمانوں کو یہ روشن و واضح درس دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ظلم و تشدد کی طاقتوں کو للکارتے وقت ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی کمزوری و بے بسی کا تصور دل میں نہ لاؤ۔ اور اگر مقابلہ میں زمین و آسمان کی تمام طاقتیں مل کر بھی باہم سازش کر لیں اور دنیا کا ہر بسنے والا تمہاری اعانت و مددگاری سے منہ موڑ لے۔ تب بھی تم کو شکستہ دل ہو کر ہمت نہ ہارنا چاہیئے۔ بلکہ اپنی بظاہر کمزور و ضعیف آواز کو پوری ہمت و بے جگری کے ساتھ باطل کی مخالفت میں بلند کرنا چاہیئے۔ پھر تم دیکھو گے کہ علی کے ایک ایک نفس قدسی کی تائید و حمایت شامل حال ہو گی۔

اور اگر چہ اس عالم آب و گل میں تم کو اپنے خون سے ہولی کھیل کر ہمیشہ کے لیے رخصت ہونا پڑے لیکن تمہارے خون کا ہر قطرہ منصور سے بھی زیادہ بلند آواز سے شور انا الحق بلند کرتا ہوا اس نظریے کی بساط میں تھا کہ برپا کرنے والا ثابت ہوگا۔ اور آخر کار باطل کی گھنگھور گھٹا پھٹے گی۔ دنیا سے ظلم و تاریکی کا دورہ ختم ہو گا۔ اور حق و انصاف کا مینار پاش د

دنیا پر آفتاب اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ دنیا کے چپہ چپہ کو ایمان و دیانت کے نور سے معمور کر دے گا۔

یہ تھا وہ درس حریت۔ درس انسانیت۔ درس اخلاق اور درس ایمان جو کربلا کے چٹیل میدان سے انسانوں کو خواہ شیعہ ہوں یا سنی ہوں۔ ہندو ہوں یا عیسائی۔ جاپانی ہوں یا یہودی مسیحی ہوں یا روسی حسینؑ نے دیا تھا۔

کس قدر رنج و افسوس کی بات ہے۔ کہ امام حسینؑ نے درس دیا ایثار و قربانی کا۔ باطل کی ہر طاقت کے مقابلہ میں پامردی کے ساتھ ڈٹ جانے کا۔ ظلم و طغیان کے خلاف سراپا شور و ہنگامہ بن جانے کا۔ راہ حق میں خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کا۔ لیکن آج بدنصیب مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ خود وہ اس عظیم الشان یادگار کے منانے یا ختم کئے جانے کے لیے آپس میں ایک دوسرے سے برسر پیکار نظر آتے ہیں۔

مولانا علی نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر لکھنؤ قابل مبارکباد ہیں۔ کہ آپ نے ۱۳۶۱ھ کے محرم کو ایک بین الاقوامی پیمانہ پر منانے کا بیڑا اٹھایا۔ اور اس مرتبہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں اس عالمگیر ہستی محسن انسانیت امام کے احسانات کو دنیا

فلسفہ شہادت

از:- رشحات قلم جناب کمال عظیم آبادی لکھنؤ

پھر آج تیرہ سو سال کے بعد کربلا کا خونین منظر ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ ہم تصور میں پھر وہی فرات کا کنارا اور اس کی تپتی ہوئی ریتوں پر ایک بیکس و بے یار قافلے کے خیمے دیکھ رہے ہیں، جن پر اداسی چھائی ہوئی ہے۔ اور جو بے رحم دشمنوں کے ہاتھوں تاراج ہونے کے منتظر ہیں۔

کیا واقعی ان خیموں کے ساکن وہ اہلبیت ہیں جن کی محبت ہر سچے مسلمان کے دل میں ہمیشہ اور سب چیزوں کی محبت سے زیادہ رہنی چاہیئے۔ اور رہی ہے۔ اور کیا اس قافلے کے سردار وہی رسول خدا کے نواسے ہیں جنہوں نے آغوش نبوت میں پرورش پائی اور جو دوش نبی پر سوار ہوتے تھے۔

ظلم بھی انسانی طبیعت کا ایک ضروری خاصہ ہے۔ اور دنیا میں ابتدائے آفرینش سے بے شمار مظالم ہوتے چلے آئے ہیں، لیکن ظلم کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ حضرت امام حسینؑ کا ان لوگوں کے ہاتھوں شہید ہونا جو اسلام کے دعویدار تھے۔ ایک ایسا دردناک واقعہ ہے، جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

لیکن یہ کیوں ہوا؟ اور کیوں یہ خدا کی مرضی میں گذرا کہ اس کے برگزیدہ رسول کے لخت جگر دشت کربلا میں تشنہ لب آب شمشیر سے جام شہادت نوش کریں؟

یقیناً وہ انہیں بچا سکتا تھا۔ اور یقیناً وہ انہیں ایک عظیم الشان قوت و طاقت دے سکتا تھا کہ ان کے تن اطہر کا ایک قطرہ خون میں غلطاں ہونا تو درکنار ان کے دامن دل تک گرد ملال کا پہونچنا مشکل تھا۔ مگر خدا کی مرضی یہی تھی۔ اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر یہاں پر اس کی حکمت اور مرضی کا ذکر ہو تو مضمون ایک رسالہ کی شکل میں بدل جائے گا۔ اور موضوع الگ ہو جانیکا امکان

رسول خدا کے زمانے سے پہلے عرب کی جو حالت تھی وہ سب کو معلوم ہے۔ اس عہد کے عرب ایک ایسی تہذیب کے خوگر تھے جس کی زیادہ تر خوبیاں زائل ہو چکی تھیں اور برائیاں زور پکڑ گئی تھیں۔ ان گمراہ عربوں کو راہ راست پر لانا آسان کام نہ تھا اگرچہ رسول اللہ اور ان کے مددگاروں نے بہت جلد عرب میں انقلاب ذہنیت پیدا کر دیا۔ اور اسلام کے پیغام سے ارباب عالم کے کان آشنا ہونے لگے۔ تاہم بہت سے عرب ایسے رہ گئے تھے جن کے دلوں میں اسلام کی تعلیم نے پوری طرح گھر نہ کیا تھا۔

چنانچہ رسول اللہ کی آنکھ بند ہوتے ہی کفر کی آگ جو ان کے سینوں میں دبی ہوئی تھی دوبارہ بھڑک اٹھی۔ وہ وقت اسلام کیلئے بہت زیادہ نازک تھا۔

رسول اللہ کی پاک زندگی ان کے مبارک اقوال و افعال قرآن مجید کی تعلیم اور اس کی آیات کی تخویف و ترغیب افسوس ہے کہ اس کفر و ارتداد سے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو نہ بجھا سکی۔ اور اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کہ کوئی اور زیادہ موثر طریقہ اختیار کیا جائے۔

ایک عام قاعدہ ہے۔ کہ انسان کو غفلت سے ہوشیار کرنے اور اس کو اس کی برائیوں پر متنبہ کرنے کے لئے اکثر کسی سخت سانحہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک فرد کی زندگی میں کسی عزیز کی موت ایک قوم کی زندگی میں کسی زبردست دشمن کا حملہ یا اندرونی انقلاب یہ چیزیں وہ کام کر سکتی ہیں۔ جو کسی دوسرے طریقے سے کسی پند و نصائح سے کبھی ڈرانے دھمکانے سے نہیں ہو سکتا۔

قرآن حکیم میں جگہ جگہ ہمیں اس کی مثالیں ملتی ہیں کہ جب کسی قوم کی حالت ایسی دگرگوں ہو جاتی ہے، کہ تقسیم حق اور راستبازی و صداقت اس قوم سے ناپید اور کالعدم ہو جاتی ہے۔ یا ان چیزوں کے فنا ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ تو عذاب الٰہی کسی نہ کسی شکل میں اس قوم پر ضرور نازل ہوتا ہے۔

میرے خیال میں کربلا کے مسافر حسینؑ کی شہادت کو بھی ایک عذاب سمجھنا چاہیئے۔ جو مسلمانوں پر نازل ہوا۔ اس لئے کہ اس سے بڑھکر کسی قوم یا ملت کے لئے کیا شرمناک اور ذلیل کن بات ہو سکتی ہے کہ خود ان کے ہادی مرسل کا نواسہ، اس پیغمبر خدا کا نور نظر جس نے ان کو قعر گمنامی سے نکال کر عزت و کمال کے آسمان پر پہونچایا انہی کے ہاتھوں اس بیدردی سے شہید ہو!

یہ عظیم الشان واقعہ مسلمانوں کی تاریخ میں ایسا ناقابل فراموش ہے۔ جس کا اثر تاریخ دل نہیں بھلا سکتی، اس واقعہ ہی نے ہمیشہ کے لئے اسلام کو کفر و الحاد سے پاک کر دیا۔ اور جب تک مسلمان دنیا میں باقی ہیں، وہ یزید کو یا دوسرے لفظوں میں ان اصولوں اور خیالات کو جن کی نمائندگی امیر شام کرتا تھا، نفرت کی نگاہ سے دیکھتے رہیں گے۔ اور حق و صداقت جس کے لئے حسین مظلوم نے میدان کربلا میں تشنہ لب عزیزوں اور دوست احباب کا داغ دل پر اٹھا کے جان دی ہمیشہ ان کے لئے جاذب توجہ ہوں گے۔

آج واقعہ کربلا کو پورے تیرہ سو سال ہو چکے، دنیا بدل گئی۔ زمانہ دوسرا ہو گیا، نہ وہ عرب رہے۔ اور نہ وہ ان کی اگلی حکومت۔ کتنی قومیں تباہ ہو گئیں۔ اور کتنی نئی برسر حکومت ہوئیں۔ لیکن اس واقعہ عظمیٰ کی یاد صفحہ ہستی سے محو نہیں ہوئی، اور نہ کبھی ہو گی۔ محرم کا چاند پھر ہماری عنان توجہ اس دشت غربت و بیچارگی کی طرف لے جاتا ہے۔ اور ہمیں پھر وہی شکستہ کارواں اعدا کے نرغہ میں گھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن آج جبکہ ہم اس حادثہ جانکاہ پر آنسو بہا رہے ہیں، اور قتل و غارت کا وہ خون چکاں منظر ہمارے سامنے ہے۔ ہمیں اس واقعہ کی اصل اہمیت کو فراموش نہ کرنا چاہیئے کربلا کا معرکہ محض امام حسینؑ اور یزید کی جنگ نہ تھی، بلکہ یہ حق و باطل کی لڑائی تھی، اور اسلام و کفر دست و گریباں تھے، اور اسی لئے میدان جیتنا یا ہارنا اس تصادم کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ اس لڑائی کا اصل مقصد مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنا اور ان کو اس تباہی سے بچانا تھا جس کی طرف یزید اور ان کے ساتھی انہیں کشاں کشاں لئے جا رہے تھے۔ اور چونکہ یہ مقصد لڑائی سے بدرجہ اتم حاصل ہو گیا۔ اس لئے جیت حق کی ہوئی یا دوسرے لفظوں میں حقیقی فاتح امام حسینؑ تھے۔ اور یزید اور اس کے ہمراہی مغلوب و شکست خوردہ!

اب ہمارا انسانی اور اخلاقی فریضہ یہ ہے۔ کہ ان لوگوں سے قطعاً بیزاری اور نفرت اختیار کریں جنہوں نے ایسے قبیح افعال کا ارتکاب کیا اور شقاوت ازلی کے مستحق بن گئے۔ دوسری طرف ہمیں ان اصولوں کی حمایت اور پابندی پر کمربستہ ہو جانا چاہیئے۔ جن کی ادائیگی کے لئے حضرت امام حسینؑ سر بکف میدان جنگ میں آ گئے۔

آج تیرہ سو برس کی مکمل تبلیغ کے بعد محض یزید کو برا بھلا کہنا، امیر شام پر تبرا، قاتلان حسینؑ سے بیزاری، مجلس میں بیٹھکر گریہ و زاری و بکا کافی نہیں اور ان ارکان کے ادا کرنے سے ہم اپنے فرائض سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ ہمیں سوچنا چاہیئے۔ کہ ہم اپنی زندگی میں کن اصولوں سے نفرت رکھیں۔ اور کن اصولوں کے پابند بنیں۔

یہ ظاہر ہے کہ ہم حسینؑ اور ان کے جانباز فدائیوں کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اور ہم اس مرتبہ عظیم تک پہنچنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ لیکن کوشش ہی میں انسان کی ترقی کا راز پوشیدہ ہے، اگر ہم صدق دل سے حق اور راستبازی کو اپنا شعار بنا لیں تو ہم بہت سے ان مدارج کو بھی طے کر سکتے ہیں جو ہمارے وہم و گمان سے بالا ہیں کیا مسلمان جو رسول اللہ اور ان کے محبوب نواسے سے محبت و عقیدت کے دعویدار ہیں اپنے عقاید و افعال میں ان کی پیروی کرنے کی سعی نہ کریں گے، کیا ہم حسین کی بے نظیر قربانی لاثانی ایثار اور تدبر کو جو فلسفہ شہادت سے سبق نہیں سیکھیں گے بالیقین ہمت کبھی بلا یقین ہے کہ ہم ضرور ایسا کرنے کی کوشش کریں گے اور حسین کے معتقد وں کو شرمندہ نہ کریں گے

کرتے ہیں۔ جو کہ ناجائز ہے۔

الجواب:۔ پیٹنا از روئے عبرت کوئی گناہ نہیں۔ جیسا کہ جناب سارہ علیہا السلام زوجہ حضرت خلیل اللہ جبکہ ملائکہ نے خبر پیدا ہونے فرزند کی دی۔ چونکہ آپ سن یاس میں تھیں جو کہ زمانہ پیدا ہونے اولاد کا ہرگز نہیں ہوتا۔ تو جناب سارہ نے طمانچے منہ پر مارے۔ فصکت وجہہا قالت انی عجوز عقیم جناب نے منہ پر طمانچے مارے۔ اور کہا خدا ایک بڑھیا بانجھ کو اولاد دیگا۔ یہ پیٹنا اور طمانچے مارنا از روئے عبرت تھا۔ معلوم ہوا بوقت عبرت پیٹنا اور طمانچے مارنا جائز ہے۔ اس سے زیادہ کیا عبرت ہوگی۔ کہ مسلمانوں نے اسلام مجسم کو کربلا میں مارا اور فرزند رسولؐ کو قتل کیا جس کی طرف خود مظلوم کربلا اشارہ کرتے ہیں۔ انا قتیل العبرۃ۔ یعنی میں قتیل عبرت ہوں۔

جواب دوسری شق سوال ۳:۔ اگر شیعہ لوگ جو زنجیروں سے پیٹتے ہیں۔ ناجائز نہیں ہے۔ بلکہ ثبوت محبت و عشق ہے۔ چنانچہ جنگ احد میں رسولؐ صلعم کے دو دندان مبارک شہید ہوئے۔ اور حضرت اویس قرنی نے سنا۔ تو اس نے اپنے سارے دانت منہ سے توڑ کر نکال دیئے۔ یہ فعل ان کا عادتاً قریب بہ ہلاکت تھا۔ لیکن اہل اسلام سے کسی فرد نے بھی ان کے اس فعل کو مذموم قرار نہیں دیا۔ بلکہ اہل اسلام سارے محمدؐ و آل محمدؐ و اصحاب رسول و تابعین کرام نے ان کے اس فعل کو دلیل محبت رسولؐ مانا۔ حالانکہ بظاہر یہ فعل اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور قبیح ہے۔ لیکن محبت رسولؐ میں اگر یہ فعل کرنا آپ مستحسن ہوگیا ہے۔ لہذا فرزند رسولؐ جو کہ زخمی اور خون آلود تھا۔ اس کی محبت میں زنجیر مارنا اور اپنے آپ کو زخمی کرنا یہ بھی ثبوت محبت ہے قبیح نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ جیسا کہ واقعہ حضرت اویس قرنی۔ کیونکہ محبوب کے غم میں محب کا مثل محبوب بننا داخل نسبت ہے۔ جہاں تک ہو سکے یہ اعتراض وہی لوگ کرتے ہیں۔ جن کے دل محبت سے خالی ہیں۔ فانظروا یا اولی الالباب

سوال چہارم

شیعہ شبیہ ذوالجناح بناتے ہیں۔ حالانکہ حسین علیہ السلام کا وہی گھوڑا تھا جو کربلا میں موجود تھا اور شیعہ اس کو ذوالجناح حسینؑ سمجھتے ہیں۔

الجواب:۔ کسی چیز کی نقل بنانا۔ اور اس کو اصل سمجھ کر ثواب حاصل کرنا کوئی گناہ نہیں۔ یوم بقرعید مسلمانان عالم قربانی کرتے ہیں۔ یہ نقل قربانی اسماعیل ذبیح اللہ ہے جو کہ حقیقت میں ذبح بھی نہیں ہوئے۔ حالانکہ وہ گوسفند جنت تھا۔ آپ لوگ گائے۔ بیل بکرے وغیرہ بھی ذبح کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اور چیز ہے اور یہ چیزیں اور ہیں۔ جب جناب اسماعیل علیہ السلام کی قربانی جنت یعنی گوسفند کی نقل اتارنا اور گوسفند و بکرا وغیرہ ذبح کرنا اور اس کو قربانی اسماعیل قرار دینا حالانکہ وہ گوسفند جنت تھا جائز ہے۔ تو حضرت امام حسین علیہ السلام جو حقیقت میں ذبیح اللہ تھے ان کے گھوڑے کی نقل بنانا بھی جائز ہے۔

رباعی

مظلومیت کا جاذب ہے قوت حسینؑ کی
قلب و دماغ پہ ہے حکومت حسینؑ کی
[illegible] میں انقلاب آنے لگا ہے کسی کی
[illegible] حیرت حسینؑ کی

ہلالِ محرم کا پیغام ہمارے نام

(از قلم جناب منظور حسین صاحب۔ جائنٹ سیکرٹری۔ انجمن امامیہ قصور)

مجھے دیکھتے ہی دلوں کو بے قرار اور آنکھوں کو اشکبار کرنے والو! سنو! اگر گوشِ حق نیوش سے سنو جس واقعہ کے غم میں تم آج سیاہ پوش ہو۔ تمہاری آنکھیں اور ہاتھ حقِ ماتم ادا کر رہے ہیں۔ اس شہادتِ عظمیٰ کو گزرے آج پورے تیرہ سو سال ہو گئے۔ زندہ قومیں اپنے مشاہیر کے کارنامے غیر اقوام کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ تاکہ وہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں۔ اور ان سے استفادہ حاصل کیا جائے۔ کیا تم اس شہیدِ اعظم کی جس نے انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو گردابِ بلا سے بچایا۔ جس نے دنیا کو پیغامِ حریت دیا۔ جس نے شجرِ اسلام کو اپنے اور اہلبیتوں کے خونِ مقدس سے سینچ کر زندگی دوام بخشی۔ اور اسلام کے تنِ مردہ میں روحِ زندگی پھونک دی۔ تیرہ سو سالہ یادگار کو اس معلمِ اخلاق اور شہیدِ اعظم کے شایانِ شان نہ مناؤ گے؟

آج زمانہ جن مخدوش حالات سے گزر رہا ہے۔ اور دنیا جنگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آئی ہوئی ہے۔ آج جبکہ حدودِ سلطنت کی وسعت اور ہوسِ ملک گیری نے یورپ کے سر پھرے ڈکٹیٹروں کو بے چین کر رکھا ہے۔ اور امنِ عالم کو تباہ کر کے انسانوں کے خون کی ندیاں بہائی جا رہی ہیں۔ کروڑوں بچوں کو یتیم۔ بیویوں کو رانڈ اور ماؤں کو بے بچوں کے کیا جا رہا ہے۔ کمزوروں کو ذلت اور بربریت کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ہمیں حسینؑ کا اسوہ دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ اور بتانا چاہیے کہ کس طرح ہر ممکن کوشش جناب مظلوم کربلا نے فرمائی۔ کہ جنگ کے شعلوں سے محفوظ رہیں۔ حج کو عمرہ سے بدل دیا۔ تاکہ جنگ نہ ہو۔ اور حرمتِ کعبہ بھی بچ جائے۔ آباد راہوں سے دور جنگلوں اور بیابانوں میں سفر کرنا۔ دوستوں کو اپنی روانگی کی تاریخ اور وقت سے مطلع نہ کرنا۔ عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے جانا۔ یہ سب باتیں اس امر کا بیّن ثبوت ہیں۔ کہ آپ جنگ کو کسی بھی قیمت پر مول نہ لینا چاہتے تھے۔ جب حرؔ نے امام حسینؑ کے گھوڑے کی لگام تھام کر آگے بڑھنے سے روکا۔ تو شمعِ امامت کے پروانوں حسینؑ کے جانثاروں کو جلال آگیا۔ ہاتھ نیاموں کی طرف اٹھے لیکن سید الشہداء نے جو کچھ فرمایا وہ تاریخِ عالم میں سنہری اور جلی حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے اور وہ پیغام یہ تھا کہ "میں جنگ میں ابتدا کرنا نہیں چاہتا" حالانکہ اس وقت دشمن کی قلیل فوج پر بآسانی غلبہ حاصل کر کے اپنے مصائب کا کسی حد تک سدِباب کیا جا سکتا تھا۔ جنگ سے کنارہ کشی کا اس سے بہتر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ حضرتؑ نے حرؔ سے فرمایا۔ کہ میرا راستہ چھوڑ دے۔ تاکہ میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کروں۔ یا کسی دوسرے ملک کو چلا جاؤں۔ یا مجھے یزید کے پاس لے چل۔ کہ وہ جو چاہے۔ مجھ سے سلوک کرے۔"

تمہیں اہلِ عالم کو بتانا ہو گا۔ کہ جب باطل حق پر قبضہ کرنا چاہے۔ اور تدبر کی جگہ جھپٹنا چاہے۔ تو پھر اولین فریضہ یہ ہے۔ کہ اہلِ ایمان حق کی حمایت اور باطل سے اظہارِ نفرت و حقارت کرو۔ چنانچہ جب سید الشہداءؑ نے دیکھا کہ دوسری

محرم سے نویں محرم تک تمام کوششیں جنگ کو روکنے میں ناکام ہو چکی ہیں۔ وعظ و نصیحت شرافت نسبی اور قرابت نبوی سے بھی ان کے سنگدل نہیں پسیجے۔ تو پھر حق کی حمایت اور باطل کے استیصال کے لئے تیار ہو گئے۔ اور ایک ایسے عزم بالجزم کے ساتھ لڑے۔ کہ انجم الناس بھائی۔ کڑیل جوان بیٹے۔ طفل شیر خوار بھائی کی نشانی ابن کے جگر پاروں اور احباب و انصار کی دردناک شہادت بھی آپ کے پائے استقلال میں ارتعاش پیدا نہ کر سکتی تھی۔ نہ بہوؤں۔ بیٹیوں اور بہنوں کی بے پردگی کا خیال انہیں جادۂ حق سے ہٹا سکتا تھا۔ اور نہ اپنی شہادت کے خیال سے ان کے ثبات قدم میں لغزش واقع ہو سکتی تھی۔ حق کی حمایت میں آپ نے بڑھ چڑھ کر مصیبتوں کا خیر مقدم کیا۔ اور اس پامردی کے ساتھ قصر ضلالت سے ٹکر لے کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر نیست و نابود کر دیا۔ اور دنیا کو ایک حیات آفریں پیغام دیا۔ ”حق کی بات منہ سے کہو۔ اس پر ڈٹ جاؤ اور مر کر دکھا دو۔ فتح تمہارے قدم چومے گی“

تمہیں اپنے شہید اعظم کے عمل سے اس لا مذہبیت کے زمانے میں لوگوں کو روشناس کرانا ہو گا۔ اور بتانا ہو گا کہ کسی مشکل اور سخت ترین مرحلے پر بھی جناب مظلوم کربلا نے تصور جناب ذات باری کو نہیں چھوڑا۔ تیروں کی بارش ہو رہی ہے۔ لیکن یہ خدا کا بندہ فریضۂ خالق میں بقلب مطمئن مصروف ہے۔ نویں محرم کی رات کی مہلت اس واسطے نہ تھی۔ کہ آلات حرب درست کر کے جنگ کی تیاری کیجائے بلکہ زندگی کی یہ آخری رات عبادت خدا میں بسر کرنے کے لئے تھی۔ تمام رات خیام سے تسبیح و تقدیس کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شہد کے چھتے سے مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز آ رہی ہو۔

تمہیں نوجوانوں کو پیغام دینا ہو گا۔ کہ وہ سیرت علی اکبر کا مظہر بنیں۔ سید الشہدا کا یہ وہ صاحب عرفان بیٹا ہے جس نے پوچھا تھا۔ کہ کیا بابا ہم حق پر نہیں ہیں۔ حضرت نے فرمایا بے شک ہم حق پر ہیں۔ تو عرض کی پھر کیا پرواہ ہے ہم موت پر گریں یا موت ہم پر گرے۔ حبیب ابن مظاہر کا کیریکٹر بوڑھوں کے سامنے پیش کرو۔ اور بتاؤ۔ کہ کس طرح امام کے بلانے پر خضاب کی پڑیا نالی میں پھینک نصرت امام کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ عاشورہ کی شب کو جب حضرت نے احباب و انصار کو جمع کر کے فرمایا۔ کہ صبح موت یقینی ہے یزید کو اگر کوئی پرخاش ہے تو مجھ سے۔ میں تمہاری گردنوں سے اپنی بیعت کا قلادہ بھی اتارے ڈالتا ہوں تم چلے جاؤ۔ اور چراغ گل کر دیا۔ تاکہ جانے میں شرم مانع نہ ہو لیکن حبیب ابن مظاہر نے فرمایا۔ مولا پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ سکتے ہیں۔ لیکن ہم آپ کا ساتھ چھوڑ کر روح رسول سے شرمندہ نہیں ہو سکتے۔

قاسم۔ عون اور محمد کی مثالیں بچوں کے سامنے پیش کرو۔ اور بتلاؤ۔ کہ کس طرح ہنس ہنس کر آقا کی حمایت میں گھائل ہوئے۔ اور اسلام کے کام آئے۔ تمہیں کربلا کی مخدرات کی اعلیٰ سیرت کا نمونہ بھی پیش کرنا ہو گا۔ کہ کس طرح انہوں نے خوش ہو کر اپنے خاوندوں۔ بھائیوں بھتیجوں اور جگر پاروں کو صیانت مذہب کے لئے میدان وغا میں شہید ہونے کے لئے بھیجا۔ حسینؑ کربلا میں اپنا کام ختم کر چکے لیکن اگر کربلا کی ان شیر دل خواتین نے کوفہ شام و دمشق میں خطبات ارشاد نہ فرمائے ہوتے۔ تو آج اس واقعہ کو کوئی جانتا بھی نہ۔

دنیا کے نام واقعہ کربلا میں بہت سے پیغام ہیں۔ اور مجھے تمہاری حالت زار کا بھی اندازہ ہے۔ تم خود سوچو۔ کہ کیا تم

خبرِ غم!

دنیائے شیعیت میں کون سا ایسا اخبار بین شخص ہوگا جو افتخارِ آسمانِ ادبیت حضرت تہری صاحب کے پر از حقائق روح پرور مضامین سے لطف اندوز نہ ہوا ہو۔ آج ہم ذیل میں حضرت تہری صاحب مدظلہ کی ارسال کردہ ایک نظم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ یہ نظم تہری صاحب کے ایک محترم بزرگ جناب حکیم سید اصغر علی صاحب مرحوم کی ہچکیدہ قلم ہے۔ جس کا ہر ہر لفظ روح ایمانی اور جوشِ یقین کا مظہر ہے۔ تہری صاحب کے گرامی نامہ سے معلوم ہو کر سخت ملال ہوا ہے۔ یہ بزرگ جن کی نظم ہے ۱۰ محرم کو داعی اجل کو لبیک کہہ کر جوارِ حضرات معصومین علیہم السلام میں پہنچ گئے۔ موصوف بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے اور آپ کے انتقال سے تہر ضلع شاہجہانپور یو۔پی کی شیعیت ایک عظیم الشان مربی کی بیش بہا خدمات سے محروم ہو گئی ہمیں اس صدمہ عظیم میں حضرت تہری صاحب خصوصاً و دیگر اعزہ و احباب مرحوم سے عموماً دلی ہمدردی ہے۔ ناظرین کرام سے التماس ہے۔ کہ مرحوم و مغفور کے لئے سورہ فاتحہ کا ثواب ہدیہ فرمائیں۔ (ادارہ)

موجودہ نظم وہ تازہ سلام ہے۔ جو مرحوم نے اپنے انتقال سے کچھ دیر پہلے کہا تھا۔

تین دن کی پیاس میں جنگ لاکھوں سے حسینؑ
کارنامہ نے ترے دنیا کو حیراں کر دیا

اے بہارِ رنگ و بوئے کربلا صدقے ترے
دل کے ویرانہ کو رشکِ صد گلستاں کر دیا

یہ تیرا ہی تھا کلیجہ اے جگر بندِ علیؑ
اپنے شش ماہہ کو بھی امت پہ قرباں کر دیا

خون میں اپنے نہا کر اے دُرِ یمِ نجف
طینتِ خاکی کے جوہر کو فروزاں کر دیا

اے مرے فخرِ مسیحا تیرے لطفِ خاص نے
کربلا کی خاک کو دنیا نے درماں کر دیا

دے کے آدابِ محبت کے زمانہ کو سبق
نوعِ انسانی پہ تو نے عام احساں کر دیا